ہندوستان میں حمد ونعت کا پہلا ادبی کتابی سلسلہ

جہان نعت

شمارہ ۹۔جنوری تا جون 2015

مدیر: غلام ربانی فدؔا

مجلس مشاورت

بیرونِ ممالک نمائندے

امریکہ میں رابطہ	پاکستان میں
ایف، اے سیفی نیویارک	غلام علی لاہور

سعودی عرب میں رابطہ:

Editor **JAHAN-E-NAAT**
Janta Plot,Post: Hirur, Tq: Hangal, Dist: Haveri-581104,
karnatak(india)
jahanenaat@hotmail.com, Mobile: ،Email: jahanenaat@gmail.com
www.jahanenaat.yolasite.com+91-9741277047

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اے میرے رب ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام بھیجتا رہ جو تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔

انتساب

عظیم نعت سناش
سید صبیح الدین صبیحؔ رحمانی
(مدیر نعت رنگ کراچی)
کے نام

مشمولات

نقدونظر

شمارہ نمبر ے میں شائع ہونے والے مضمون

نعت کائنات

(مدحتیں) صفحہ 171 تا،،،،

نعت نامے

(قارئین کا ردعمل)

جلّ جلالہ

حمد میں تیری ہے مصروف یہ بندہ تیرا
اس کو درکار ہے اللہ ! سہارا تیرا
تو کہ ہے اوّل و آخر، تو ہی باطن، ظاہر
ذات عالی ہے تری ، نام ہے اولیٰ تیرا
حمد کرسکتے نہیں ، اپنی زباں ہے کج مج
کون کہہ سکتا ہے اللہ ! قصیدہ تیرا
تو کہ وہّاب ہے، داتا ہے، مِرا بھر دامن
تو غنی اور ولی ، آسرا مولیٰ ! تیرا
تو ہے رزّاقِ جہاں ، پالنے والا تو ہے
خوانِ یغما ہے بچھا ارض پہ ہر جا تیرا
تیری تعریف کا حق کیسے ادا ہو یا رب!
" فکر اسفل ہے مِری ، مرتبہ اعلیٰ تیرا"
تیرے محبوب ﷺ نے یہ ہم کو بشارت دی ہے
حشر میں دیکھیں گے ہم جلوہ ء زیبا تیرا
رحمِ مادر میں بناتا ہے تو سب کی صورت
ننھی[1] کونپل جو تناور ہے ، کرشمہ تیرا
ملتزم پر اسے خوشبوئے شہ دیں ﷺ ہے ملی
تیری چوکھٹ پہ کھڑا پھولؔ ہے ، منگتا تیرا

☆تنویر پھولؔ (امریکہ)

---

[1] سورہ آل عمران ، آیت نمبر ۶

جل جلالہ

(درصنعت قیدحرف[1])

اللہ میرے لب پر ہر دم ہے نام تیرا
اعلیٰ صفات ہے تو اونچا مقام تیرا
اعزاز ہے یہ مجھ کو میں ہوں غلام تیرا
آنکھوں میں نور تیرا، دل میں قیام تیرا
افسوس ہے کہ انساں پھر بھی سدھر نہ پایا
افلاک سے زمیں پر اترا کلام تیرا
اسوہ ترے نبی نے اسلام کا دکھایا
امت کے سامنے ہے روشن کلام تیرا
اس بات سے یقیناً واقف ہے ساری دنیا
انسان کو ہدایت دینا ہے کام تیرا
اک ذرہ بھر کہیں بھی بے جا ستم نہ ہوگا
انصاف پر ہے مبنی سارا نظام تیرا
اس کے سوا جہاں میں کچھ بھی نہیں بچے گا
اوّل بھی نام تیرا، آخر بھی نام تیرا
اردو کا شاعر ،شیدا ہے نام جس کا
اس نے پیا ہے یارب ، توحیدی جام تیرا

☆شیدا رومانی (رائچور)

---

[1] حمد کے ہر مصرع کا آغاز و اختتام ایک ہی حرف (الف) پر ہوتا ہے یہ میری ایجاد و اختراع ہے۔ جسے میں نے صنعتِ قیدِ حرف کا نام دیا ہے (شیدا رومانی)

روضۂ رسالت مآب ﷺ کے مواجہہ شریف کی جالیوں پر کندہ نعتیہ اشعار

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

يَا خَير من دفنت فی التراب اعظمه
فطاب من طيبهن القاع والاكم
نفسی الفداء لقبر انت ساكنه
فيه العطاف وفيه الجود والكرم

ترجمہ

نہ جانے کتنے پاکیزہ بدن ہیں دفن میں
مگر ہے جسم اقدس سب سے اعلیٰ میرے آقا کا
مہک پھیلی ہے اس کی اس طرح ہر سمت عالم میں
چمن تو خیر، خوشبو سے معطر ہوگیا صحرا
دل وجاں سے فدا ہستی مری اس پاک مرقد پر
جہاں آرام فرما ہیں مرے آقا مرے مولیٰ
یہ وہ مرقد ہے جس میں زہد وتقویٰ سانس لیتے ہیں
یہی ہے نقطۂ آغاز بحر جودو رحمت کا

منظوم ترجمہ

☆منیر احمد جامیؔ (بنگلور)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

والله لن يصلوا اليك بجمعهم
حتى اوسد فى التراب دفينا
فاصدع بأمرك ماعليك غضاضة
و ابشرو وقر بذاك منك عيوناً
و دعوتى وزعمت انك ناصحى
و لقد صدقت وكنت ثم امينا
و عوضت دينا لا محالة انه
من خير اذيأن البرية دينا

عم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب

قسم اللہ کی جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی
ضرر پہنچا نہیں سکتا تمہیں چھو بھی نہیں سکتا
تم اپنا کام کرتے جاؤ جس کو حق سمجھتے ہو
کوئی تنگی نہیں تم پر نہ کوئی بند ہے رستہ
تمہیں تسکین اور آنکھوں کو پہنچاتا رہے ٹھنڈک
تو روح و دل کو مہکاتا رہے خشیوں کا گلدستہ
بھلائی سوچ کر میری جو دعوت حق کی دیتے ہو
اسے جھٹلاؤں کیسے تم امیں صادق ہو سر بستہ
تمہارا دین وہ جس کی طرف سب کو بلاتے ہو
وہی ایک دین ہے سب سے مہذّب سب سے شائستہ

منظوم ترجمہ

☆**منیر احمد جامیؔ** (بنگلور)

ابتدائیہ

جہان نعت کا تازہ شمارہ پیشِ خدمت ہے۔گزشتہ شمارہ کے منظرعام پر آنے کے بعد کچھ مخصوص لوگوں نے اس فکری جہاد کو مسلک ومشرب کے دائرے میں محدود کر پیش کرنے کے لئے مجھے پابند کرنے کی سعئ ناتمام کی۔جبکہ جہان نعت کا مسلک ومشرب نعتیہ ادب کا فروغ وارتقا ہے۔

نعت کے حوالے سے جس کسی نے بھی اپنا نذرانۂ عقیدت بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں پیش کیا ہے ہم اس کی کاوش کی پذیرائی کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے انشاء اللہ۔اس لئے کہ قرآن کریم جو نعت کی خود اساس وبنیاد ہے۔اس میں رب کریم نے آقا کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کے ہمہ گیری کے متعلق ارشاد فرماتا ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں (سورہ اعراف آیت 158) ایسی صورت میں ہر امتی کو اپنے نبی ﷺ کی بارگاہ میں نذرانۂ محبت پیش کرنے کا حق ہے،قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ میں بارگاہِ مصطفی ﷺ کے آداب کو واضح طور پر بیان فرمادیئے ہیں، قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ اصول وضوابط اور طریق کار کی نشاندہی کی گئی ہے۔اور اس کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نعت گوئی کے بنیاد کیا ہے اور لوازمات کیا ہونے چاہئے۔زبان وبیان کیسا اختیار کرنا چاہئے۔اسی کی بنا پر صحابہ کرام نعت کہتے رہے۔حضور سرور دوعالم ﷺ گو کہ شاعر نہیں تھے لیکن اعلیٰ درجہ کا ذوقِ شعر رکھتے تھے۔رجزیہ اشعار پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔اور اسی سبب آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں حضرت حسان کے لئے منبر بچھوائے اور نعتیہ اشعار سماعت فرمائے۔اور انہیں دعاؤں سے نوازا آپ ﷺ نے بہ فرمائش صحابہ کرام سے اشعار سماعت فرمائے۔آپ ﷺ نے فرمایا ’’شعر میں حکمت ودانائی بھی ہوتی ہے‘‘۔ایک موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا۔’’کلمۂ حکمت تو مومن کی متاعِ گمشدہ ہے۔

اس شمارہ میں قارئین محسوس کر سکتے ہیں کہ ہم نے کوئی جدت کاری کی ادنیٰ سی کاوش کی ہے نیز ایک کالم ’’سلسلہ کوثری‘‘ معروف غیر مسلم نعت گو شاعر دلورام کوثری کے قبیل سے تعلق رکھنے والے

کسی ایک غیر مسلم نعت گو شاعر کا انشاء اللہ ہر شمارے میں تذکرہ کیا جائے۔اس بار ادھومہا جن بسمل کا تذکرہ محترمہ شمشاد بانو شاد نے رقم کیا ہے۔ادھومہا جن بسمل کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ چالیس کی عمر میں اردو سیکھ کر شعر گوئی کر رہے ہیں۔ دوسرا کالم ''ماضی کے جھروکوں سے'' اس میں ہم نے مرحوم شعرا کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی اپنے تئیں سعی کریں گے۔اس شمارہ میں مرحومہ ڈاکٹر صغریٰ عالم کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں۔کرناٹک میں اب تک صغریٰ عالم کا نعتیہ سرمایہ ناچیز کے بعد سب سے زیادہ ہے۔تیسرا کالم ''بازیافت'' جس میں مرحوم ڈاکٹر فرحت علی صدیقی کا مضمون شامل ہے۔جو محدثِ اعظم سید محمد کچھوچھوی کے قصیدۂ معراجیہ پر لکھا گیا ہے۔یہ قصیدۂ معراجیہ جو کہ 1956ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا، یہ جہانِ نعت کی بازیافت ہے، ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا مضمون ''آزاد نظم میں نعتیہ اقدار'' ایک اہم پیشکش ہے جس میں آزاد میں نعت گوئی کے لسانی وعمرانی پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔جناب زید محشری (فیصل آباد) کا مضمون ''لفظِ نعت تاریخ کے آئینے میں'' محترم طاہر سلطانی کا مضمون ''اکیسویں صدی اور نعت گوئیاں'' ڈاکٹر محمد مشاہد رضوی کا مضمون ''ضمائر کا استعمال'' قلب وفکر کو تابندگی بخش ہیں۔

مشمولات میں کچھ ایسے بھی مضامین ہیں جن سے ہم بھی مطمئن نہیں ہیں۔اور رسالے کو اپنے توقعات کے مطابق پیش نہیں کر پا رہے ہیں۔ہم اپنی بساط بھر کوشش او خدمت نعتِ مصطفیٰ ﷺ کی طور پہ پیش کرر ہے ہیں۔رب قدیر ومحبوبِ رب قدیر ﷺ ہماری اس ادنیٰ سی کاوش کو قبول فرمالیں۔آمین۔

آئندہ شمارہ دسواں شمارہ ہوگا۔جو جہانِ نعت کا ایک اہم پڑاؤ اور سنگِ میل ہے۔ ہم اپنی خوداحتسابی کے ساتھ سفر پر گامزن ہیں۔اس دہے تک پہنچتے پہنچتے بے شمار صحافتی تلخیوں کا تجربہ سے دوچار ہوئے۔ اس سفر میں ہمیں آپ کی معاونت درکار ہے۔آپ کے مضامین وآرا ہم ارسال فرمائیں نیز ہم ان تمام کے شکر گزار ہیں جنہوں نے جہانِ نعت کے حوالے سے اپنے تاثرات وتنقیدی واصلاحی تاثرات سے نوازے۔ اگر میں محترم ناقدِ نعت ونعت سناش مولانا ڈاکٹر سراج قادری صاحب اور میرے مخلص ومہربان رفیق جناب فیروز احمد سیفی کا شکریہ کا نہ ادا کروں تو یہ احسان فراموشی ہوگی۔

میری دعا ہے کہ رب قدیر ان دونوں صاحبان کے تعاون کو قبول فرمائے نیز ان کا ساتھ وتعاون دنیا وآخرت دونوں میں رکھے،آمین بجاہ سید المرسلین

ایک غیرمسلم شاعر:

شمشاد بانو شاؔد (پونہ۔ انڈیا)

اُدھو مہاجن بسملؔ کی نعتیہ شاعری

نعت ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس کی تخلیق تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔اس کے باوجود جن شعراء نے اس میدان میں قدم رکھا تو انتہائی ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضور کائناتﷺ کی بارگاہ میں اپنی عقیدت اور محبت کے گل ہائے سخن پیش کئے اور سرخ رو ہوئے۔ایسے ہی شعراء میں ایک نام جناب ادھومہاجن بسملؔ کا ہے۔بسملؔ صاحب غزل کہتے ہیں اور نظم بھی ، انھوں نے گیت دوہے اور ماہئے بھی کہے ہیں۔اسی کے ساتھ وہ حمد اور نعت کے بھی کامیاب شاعر ہیں۔

شاعری ایک وسیع میدان ہے، یہ میدان شاعر کی اپنی ملکیت ہے۔اپنی جائداد ہے۔اس میدان میں وہ جہاں چاہے پڑاؤ ڈال سکتا ہے۔اورمن چاہی صنف پرطبع آزمائی کرسکتا ہے۔اس میدان کو وہ اپنے فکر وفن کے پھولوں سے گلستان بنا دیتا ہے اور اپنے خوبصورت خیالات کے چاند ستاروں سے اس میدان کو روز روشن کی طرح تاب ناک بنا دیتا ہے۔شاعری ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کی صاف جھیل کی طرح ہے جو شاعر کے ذہن وقلم سے ایک دلنواز اور فرحت بخش جھرنے کی طرح پھوٹ کر نکلتی ہے اور پڑھنے والوں کے ذہن ودل کو سکون فراہم کرتی ہے۔

جناب اُدھومہاجن بسملؔ کا شمار ایسے ہی شاعروں میں ہوتا ہے۔آپ ۱۷ فروری ۱۹۵۰ء کو چالیس گاؤں مہاراشٹر (انڈیا) کے ایک دیہات میں پیدا ہوئے۔آپ کی تعلیم مادری زبان مراٹھی میں ہوئی۔آپ نے بی اے چالیس گاؤں سے کیا،ایم اے ہندی میں پونے یونیورسٹی سے اور بی ایڈ جلگاؤں کالج آف ایجوکیشن اور ایم ایڈ تلک کالج آف ایجوکیشن پونے سے کیا۔مہاراشٹر کے تعلیمی شہر پونہ میں مقیم ہے، برسوں تدریس کے اعلیٰ پیشے سے وابسطہ رہ کر معصوم اذہان کی آبیاری کرتے رہے۔اب ملازمت سے سبک دوشی کے بعد شعر وسخن کی تخلیق سے وابسطہ ہیں۔آپ کی مادری زبان اگر چہ

مراٹھی ہے لیکن آپ نے اپنے قلبی جذبات کے اظہار کے لئے ''زبانِ اردو'' کا انتخاب کیا۔ جب غزلوں کا شوق پیدا ہوا تو رہنمائی کے لئے آپ نے پونا کے بہت سخنوروں سے رابطہ کیا۔ بہت بھاگ دوڑ کی۔ یہاں وہاں ہر جگہ اپنا مدعا پیش کیا۔ بہت مایوس بھی ہوئے مگر آپ نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ کوشش کرنے والے کبھی نہیں ہارتے مہاجن جی کو یہ یقین تھا۔ اور اسی یقین نے انھیں ایک دن پونا کے استاد شاعر، محقق، افسانہ نگار، ناول نگار، تنقید نگار، تقریباً ساٹھ کتابوں کے مصنف ڈاکٹر نذیرؔ فتح پوری (مدیر اسباق۔ پونے) سے ملایا۔ یہاں آ کر آپ کی تلاش ختم ہوئی۔ نذیرؔ صاحب نے آپ کی چاہت لگن محنت اور حوصلے کو دیکھا تو آپ کی رہنمائی کی ذمہ داری قبول کر لی۔ آپ نذیرؔ صاحب کے شاگرد بن گئے اور یہی سے آپ نے غزلیں لکھنا شروع کیں۔ نذیرؔ صاحب نے آپ کی بھرپور مدد کی، رہنمائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مہاجن جی نے بھی ڈٹ کے محنت کی اور غزلیں، آزاد نظمیں، دوہے، کہہ مکرنی، میں طبع آزمائی کی، ایک حد تک کامیاب رہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے حمد اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نعت کے نذرانے بھی پیش کئے۔ آپ کو اردو سے بہت دلچسپی ہے اس لئے آپ نے اپنی طور پر اردو رسم الخط میں لکھنے کی کوشش کی۔ اس کے لئے اردو کے ٹیچر عبد المجید رشک نے آپ کو پڑھانا شروع کیا۔ اس کے بعد آپ نے مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی حیدرآباد سے اردو زبان کا امتحان دے کر سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ آپ اردو سیکھنے کے لئے لگاتار محنت کر رہے ہیں۔ پونا کے اردو شاعروں سے آپ کے قریبی تعلقات ہیں۔ اُن سب سے بھی آپ کو اردو سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ مہاجن جی اردو کا ایک امتحان پاس کر کے بیٹھے نہیں، اگلے امتحان کی تیاری میں لگ گئے اور اب اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی دہلی سے اردو سرٹیفکیٹ کورس کی تیاری کر رہے ہیں۔ جہاں چاہ ہوتی ہیں وہاں اپنے آپ راہیں نکلتی چلی جاتی ہیں۔ جو محنت کرتا ہے وہ پھل ضرور کھاتا ہے۔ انسان میں محنت اور لگن کا جذبہ ہو تو کامیابی قدم چومتی ہے۔ مہاجن جی بھی ایک دن بہترین اردو جاننے والوں میں شمار کئے جائیں گے۔ ہم سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

آپ کی اب تک غزلوں اور نظموں کی چھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں دو شعری مجموعے اردو میں شائع ہوئے ہیں جن کے نام ''حرفِ غزل'' اور ''غزل کے ساتھ'' ہیں۔ غزل کے ساتھ یہ کتاب ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوئی ہندی والے شعری مجموعے کو ''مہاراشٹر راجیہ ہندی ساہتیہ اکیڈمی کی سے جانب سے ایوارڈ سے نوازہ گیا۔۔ ان تمام مجموعوں کی ابتدا انھوں نے

روایتی انداز سے کی ہے۔ پہلے صفحہ پر حمد اور اس کے بعد نعت کی شمولیت بعد ازاں غزل کا سلسلہ دراز ہے۔لیکن اپنے عنوان کے زیر اثر ہم یہاں بسملؔ صاحب کی صرف نعتیہ شاعری پر ہی اظہار خیال کریں گے۔

اللہ پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔اس نے انسان کی بھلائی کے لئے وقت وقت پر رسول اور انبیاء بھیجے۔سب نے اپنے اپنے وقت پر دنیا کو اللہ کی وحدت کا پیغام دیا۔اسی پیغام کو آگے بڑھانے کے لئے اللہ نے اپنے آخری نبی محمد مصطفی ﷺ کو ساری کائنات کے لئے رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا۔آپ ﷺ نے پوری دنیا کی تاریکیوں کو مٹا کر نورانی بنا دیا۔بسملؔ صاحب اللہ کو ایک مانتے ہیں۔اس کی وحدت کا اقرار کرتے ہیں۔اپنے اقرار کو خوبصورت حمدیہ اشعار کے ذریعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ہر کسی کو ہے ضرورت تیری
میں بھی کرتا ہوں عبادت ہے تیری
تیرے رب ہونے کا ہے ناز مجھ کو
میرے دل میں ہے وحدت ہے تیری

حضرت محمد ﷺ کی ثنا خوانی پوری کائنات کرتی ہے۔اللہ خود حضور ﷺ کی تعریف کرتا ہے۔اللہ اور اس کے سارے فرشتے حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں، اللہ ایمان والوں سے فرماتا ہے کہ ''اے ایمان والو! تم بھی نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجا کرو'' اللہ کے اس حکم کو ہم سب مسلمان پورا کرتے ہیں۔نبی ﷺ پر درود وسلام کے تحفے بھیج کر اپنی زبان کو پاک کرتے ہیں، دل کو سکون دیتے ہیں، حضور ﷺ سے محبت کا اقرار کرتے ہیں۔حضور ﷺ سے محبت کا احسن طریقہ یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں نعتیں لکھی جائیں اور پڑھی جائیں، دل میں یقین رکھا جائیں کہ ہم جب نعت پڑھتے ہیں تو حضور ﷺ کے دربار میں یہ تحفے پیش ہوتے ہیں۔حسان بن ثابت جب نعت پڑھتے تھے تو سرکار دو عالم ﷺ خوش ہو کر سنتے تھے۔ہمارا یقین اور ایمان یہی ہے کہ ہماری نعتیں بھی حضور ﷺ ضرور سنتے ہیں۔

بارگاہِ رسالت ﷺ میں نعتیں لکھ کر پیش کرنے والے مسلمان شعراء تو ہیں ہی مگر کچھ ہندو شعراء بھی بہترین نعتیں کہتے ہیں ان شعراء میں ایک شاعر اُدھومہاجن بسملؔ ہیں جو سادہ اور سلیس زبان میں نعت کہتے ہیں جو آپ کے عقیدت مندانہ جذبوں کی عکاسی کرتی ہے۔چند اشعار

کچھ اس طرح کا ہو انداز نعت احمد میں
کہ حرف حرف مقدس کتاب ہو جائے
نبی کی نعت سنانے کا ہے ہنر جس کو
ہمیشہ اس کو خدا مالا مال کرتا ہے

بسملؔ صاحب دل کی عمیق گہرائی سے نعت کہتے ہیں۔نعتیہ مشاعروں میں پڑھتے اور داد و تحسین حاصل کرتے ہیں۔حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھنے والی ہر شئے سے محبت کرتے ہیں ۔دینِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں آپ کہتے ہیں۔۔

کہہ دو چراغِ نور بجھایا نہ جائے گا
یہ دین مصطفی ہے مٹایا نہ جائے گا
محبوبِ رب کو دل میں بٹھایا ہے اس طرح
اُن کے سوا کسی کو بٹھایا نہ جائے گا

اور دیکھئے مدحتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ نے کتنے خوبصورت شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔۔

انسان کوئی کیا کرے مدحت رسول کی
قران پاک خود ہی ہے عظمت رسول کی
مالک نے ان کو علم کا پیکر بنا دیا
رتبہ تمام کون و مکاں تک بڑھا دیا

بسملؔ صاحب نے نعتوں کے ذریعہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع روشن کی ہے۔اپنی عقیدت کے گل بوٹے کھلائے ہیں ۔نبیؐ کریم کے اوصافِ حمیدہ کو شعری پیکر عطا کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت سرائی کے فن میں اپنے جوہر دکھانے میں پوری طرح کوشاں ہیں ۔آپ شہرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کی آرزو رکھتے ہیں ۔آپ کا دل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضری کے لئے تڑپتا ہے ۔ یادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دل میں بسائے رکھتے ہیں ۔اپنی نعتوں کے ذریعہ آپ نے مدینے کی آرزو ظاہر کی ہے۔آپ کہتے ہیں۔۔۔

دل میں سما یا جب سے قرینہ رسول کا آنکھوں میں بس گیا ہے مدینہ رسول کا
توفیق خدا دے تو طیبہ کا سفر ہوگا گلیوں میں مدینے کی اپنا بھی گزر ہوگا

مجھ کو بھی بلائیں گے سرکار مدینے میں نہ جانے دعاؤں میں کب میری اثر ہوگا
کرم خدا کا اگر بے حساب ہو جائے تو طیبہ جانا میرا کامیاب ہو جائے
طیبہ کی زمیں یاد ہے، طیبہ کی فضا یاد طیبہ کے سوا مجھ کو تو کچھ بھی نہ رہا یاد
میں سرورِ عالم کے مدینے کا ہوں طالب اس راہ پہ آتا ہے میرے دل کو خدا یاد

انسان کی چاہتیں ہوتی ہیں۔خواہش ہوتی ہیں۔خواب ہوتے ہیں۔وہ دنیا کی سیر کرنا چاہتا ہے۔دنیا کی رونقیں اور رنگینیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے۔مگر ایک مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ خانہء کعبہ کا دیدار کریں،حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پُرنور کو نظر بھر دیکھیں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے،مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک کونے کی برکتوں کو سمیٹے، وہاں کی اذانوں سے اپنے کانوں کو معطّر کرے۔بسملؔ صاحب کا دل بھی یہی چاہتا ہے۔ وہ ایک بار مدینے کا دیدار کرنا چاہتے ہیں۔کہتے ہیں کہ مدینہ دیکھنے کے علاوہ ان کا اپنا کوئی ارمان نہیں ہے۔اور یہی خواب اور اس کی تعبیر کے لئے آپ دعا گو ہیں۔کہتے ہیں۔۔۔۔

دل چاہتا دیکھ لو ایک بار مدینہ
پھر اس کے بعد کوئی بھی ارمان نہیں ہے
خیال و خواب میں ہر دم رخِ مدینہ ہو
زہِ نصیب جو سچّا یہ خواب ہو جائے
بسملؔ وہیں پہ جا کے گزاروں گا زندگی
مجھ سے مدینہ جاکے پھر آیا نہ جائے گا
ایک دن میں بھی جاؤں گا طیبہ ضرور
اپنی فریاد بسملؔ اثر خیز ہے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس نور علیٰ نور تھی۔جس کی چمک زمین، آسمان، چاند ستارے اور ذرّرات میں پائی جاتی ہے۔آپ کی ذاتِ اقدس دونوں جہاں میں محبوب ہے۔آپ کا ذکر جن، انس،سمندر، پہاڑ، ندی، نالے،شجر، ہجر، چرندے، پرندے کرتے ہیں۔ایسے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا کئے جسے سبھی مسلمان جانتے ہیں۔بسملؔ صاحب نے چونکہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی کیا ہے۔اس لئے آپ نے ان معجزات اور تاریخی واقعات کو نعتیہ اشعار میں جگہ جگہ بہ حسن وخوبی پیش کیا ہے۔دیکھئے کیا خوبصورت اشعار کہے ہیں۔۔۔

اک اشارے سے ٹکڑے ہوا چاند بھی
معجزہ مصطفی کا اثر خیز ہے
سمجھے گا کوئی کیسے حقیقت رسول کی
انگلی کے اشارے سے شق کردیا قمر
یہ معجزہ بھی آپ کے نقشِ قدم کا ہے
صحرا میں آکے آپ نے دریا بہا دئے
اک روز اپنے کمرے میں اُمّ ِ سُلین بھی
شیشی میں بھر رہی تھی پسینہ رسول کا
وہ آگئے تھے غارِ حرا کی پناہ میں
اس واقعہ سے کوئی بھی انجان نہیں ہے
اس لئے ایوب انصاری ہے خوش
آپ کو ان کا مکاں اچھا لگا

بسملؔ صاحب کو روزِ محشر کی فکر بہت ستاتی ہے۔آپ کہتے ہیں کہ روزِ محشر میں جب ہر طرف افراتفری کا عالم ہوگا ، ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہوگی ، ایسے نفسا نفسی کے عالم میں بسملؔ صاحب کو یقین ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب کی سائبانی کریں گے ۔میدانِ حشر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کے لئے موجود ہونگے ، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مداح خواہوں پر رحمت سایہ فگن ہوگی ۔اس یقین کو اُن کے اشعار میں جھلکتا ہوا آپ دیکھ سکتے ہیں ۔

میں نے سنا ہے اس پہ جہنم حرام ہے
تا عمر جس نے کی ہے اطاعت رسول کی
حشر کے روز میری آنکھ کھلے گی جس دم
کچھ نہ دیکھو میں فقط آپ کی صورت کے سوا
حشر میں صرف طلب گارِ شفاعت ہی نہیں
آپ کے ساتھ کا طالب ہوں شفاعت کے سوا
ہم برکھا بادل کیا جانے ، کیا لینا ہم کو دریا سے

محشر کے روز ہمیں آقا کوثر پہ بُلانے والے ہیں
ہو جائے گی محشر میں بسملؔ کی شفاعت بھی
سنّت کا وہ دنیا میں حقدار اگر ہوگا
نبی کی راہ پہ چلنے کی ٹھان لو بسملؔ
یقیں ہے حشر میں آساں حساب ہو جائے

بسملؔ صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس قدر محبت اور عقیدت ہے، وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے والوں سے بھی بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ اُن سے ملنے میں انھیں مسرّت ہوتی ہے۔ اُن کی باتوں کی سچائی کو وہ محسوس کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے، مجھے ان کا ہر بیان، ہر ادا، اُن کی ساری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔

محمد کے شیدائی کی کچھ نہ پوچھو
وہ سچ بولتا ہے، وہ جب بولتا ہے
ساقیء دو جہاں سے ہے نسبت جنھیں
جام اُن کا محبت سے لبریز ہے
جن کے لب پہ آپ کی باتیں رہیں
مجھ کو اُن کا ہر بیاں اچھا لگا

یہ چند صفحات ادھومہاجن بسملؔ کی نعتیہ شاعری پر اظہارِ خیال کے لئے کافی نہیں، ابھی بہت کچھ اس موضوع پر لکھا جانا باقی ہے، جب اُن کا نعتیہ مجموعہ شائع ہو کر منظرِ عام پر آ جائے گا تب ان اظہارِ خیال کے لئے نئے راستے نکل جائیں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مداح سرائی کے طفیل اُن کا نام نعتیہ شاعری کے معروف شاعر دلوّ رام کوثریؔ اور ان کے قبیل کے شاعروں کی فہرست میں شمار کیا جائے گا۔

ماضی کے جھروکوں سے

مرحومہ ڈاکٹر صغریٰ عالم

حیدرآباد کرناٹک کے شاعرات کی میر کارواں

میں نہ لکھ پاؤں گی توصیفِ محمد صغریٰ
اتنا آسان نہیں توصیف پیمبر لکھنا

نام: صغریٰ عالم   والد: رکن الدین صاحب
پیدائش: 18 جنوری 1938   جائے پیدائش ووفات: گلبرگہ
تعلیم: ایم اے، بی ایڈ، پی ایچ ڈی۔ عنوان مقالہ: ''پروفیسر عنوان چشتی محقق ناقد اور شاعر''
ذریعۂ معاش: درس وتدریس   وفات: 10 مارچ 2010ء

کچھ اہم تصانیف یہ ہیں:

۱) حیطۂ صدف (شعری مجموعہ) 1990
۲) بیت الحروف (شعری مجموعہ) 1995
۳) صفِ ریحاں (شعری مجموعہ) 1997
۴) محراب دعا (حمد ونعت) 1999
۵) پروفیسر عنوان چشتی (محقق ناقد اور شاعر) تحقیقی مقالہ 2003
۶) کف میزاں (تبصرے) 2004
۷) نامے جو میرے نام آئے (خطوط) 2004
۸) قوسِ قزح (شاعری) 2004
۹) حنا غزل (شاعری) 2005
۱۰) ابر نیساں (مصنفہ کی کتابوں پر تبصرے) 2005

۱۱) نشاطِ معنی (شاعری) 2006

۱۲) باب جبرئیل (حمد ونعت) 2009

مرحومہ کی طبیعت میں موزونی، علم وفضل اور زورِ عشق ومحبتِ رسول ﷺ جیسے عناصر نے مل کر صغریٰ کے کلام کو دلِ گداختہ عاشق کا کلام بنا دیا ہے۔ جس میں آمد آمد ہے۔ جذبات کا التہاب ہے۔ خیالات کی سچائی ہے۔ نظریات کی صداقت ہے۔ اور تعظیم و ادبِ رسول (ﷺ) کا پاس ولحاظ ہے،

ثنائے محمد ثنائے خدا ہے　　محمد محمد ہی زباں پر ہے مری

حیات مختصر کیا ہے یہ دل صدقے یہ نظر صدقے　　مرے مولیٰ کے روضے پر مری شام وسحر صدقے

عبث ہے پیش ہو رنگِ مثال احمد کا　　خدا کا نور ہے نور ہلال احمد کا

گلِ نار ہوا ایماں افکار محمد سے　　اسلام چمک اٹھا ہے انوارِ محمد سے

دل نے درِ حضور پر لا کر بٹھا دیا　　مرے تصورات نے ایسا صلہ دیا

ڈاکٹر صغریٰ عالم کے کلام کے مطالعہ کے بعد یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ نے فنِ نعت کی تمام تر قیود وآداب کی پاس داری کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی کارگاہِ فکر میں اشعار کو ڈھالا ہے۔ موصوفہ کی بیش تر نعتیں غزلیہ فارم اور ٹیکنک میں ہیں۔ آپ کے نعتیہ کلام کے مطالعہ کے بعد یہ احساس دل پر منعکس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی شاعری کو شاعری برائے شاعری نہیں بل کہ شاعری برائے بندگی سے آراستہ ومزین کرنے کی سعیِ مشکور کی ہے۔

حرا کی گود میں رب کا سراغ مانگا ہے
خدا کے گھر سے منور چراغ مانگا ہے
اب سوئے عرب ہم بھی چلے جائیں گے صغریٰ
یہ چاک گریباں بھی سلا ہو نہ سلا ہو
جانا نہیں ہے لوٹ کے طیبہ مجھے کہیں
اے زندگی نباہ محمد کے شہر میں

بازیافت

ڈاکٹر فرحت علی صدیقی (مرحوم)

حضرت سید کچھوچھوی کا قصیدۂ معراج

اسلامی قصائد نگاری کا آغاز

مدحتِ نبوی کی روایت میں قصیدہ نگاری کی نوع اسی وقت سے جاری ہے جب سے کہ اس عالم گیتی پناہ میں نبی مکرم کی تشریف آوری ہوئی ہے۔عرب کے دستور اور ان کے ذوقِ شعری کی رو سے مکہ میں جب نبی اکرم اپنے چچا ابو طالب کے ہاں فروکش تھے اور آپ کی برکت سے نزولِ باراں ہوا' تو ابو طالب نے اس موقع کی یاد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ اس طرح عرب کی شاعری کا وہ غیر مہذب دستور جو کہ صرف خمریات کے ذکر اور عائلات کی تعریف پر مبنی ہوتا تھا' حضور کی آمد و بعثت کے تصدق یکسر بدل کر مدحت و تقدیسِ نبوی کی صورت اختیار کر گیا۔ گویا نبئ رحمت کی تشریف آوری سے جہاں نعت کہنے کی ابتدا ہوئی وہیں نعتیہ قصیدوں کا بھی آغاز ہوگیا۔ عربی قصیدوں میں ''قصیدۂ بانت سعاد'' نیز بعد کے ادوار میں دیگر قصیدوں کے علاوہ ''قصیدۂ بردہ شریف''۔ ''قصیدۂ لامیہ''۔ ''قصیدۂ کافیہ' وغیرہ سے نہ صرف ذوق ِقصیدہ گوئی کو عروج حاصل ہوا بلکہ نعتیہ قصیدوں کی روایت نے عربی ادب کی ترقی اور جدید عربی کو ارتقائی منزلوں سے بھی ہمکنار کر دیا۔

نعتیہ قصیدہ کی یہ روایت صحابہ' تابعین وغیرہ سے عربی زبان میں پروان چڑھتے ہوئے فارسی میں قدم رکھی تو فارسی زبان کے شعراء نے مدحت و نعت سرائی کا وہ کمال دکھایا اور نبی اکرم کے محامد و محاسن بیان کرنے کی ایسی اعلیٰ مثالیں قائم کیں کہ جس کی بدولت اس طرزِ شعری کو فارسی کی

مقبول ترین صنف کی حیثیت حاصل ہوگئی اور نعتیہ قصیدوں کا رواج عام ہوتا چلا گیا۔ جس کا بین ثبوت فارسی کے قدیم شعراء کے معرکتہ الآراء وہ قصیدے ہیں جو دنیائے اسلام کی ہر زبان میں ترجمہ ہوکر آج بھی محافل نعت و مجالس میلاد النبی میں رائج ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری شطاری رحمۃ اللہ علیہ کا ''قصیدہ معراجیہ'' بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ محسنؔ کاکوروی کا قصیدۂ معراج موسوم بہ ''چراغ کعبہ'' اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ''قصیدۂ معراجیہ'' مدحتِ نبوی کی تمام خوبیوں، ادبی محاسنوں اور شعری ترکیبوں کا نہایت ہی باادب و عالی وقار کلام کہلانے کا مستحق ہے اور ناقدینِ اردو ادب کی آراء اور ان کی توجہ کا متقاضی بھی۔

اردو شعر و ادب پر صوفی شعرائے دکن کا ایک احسانِ عظیم یہ ہے کہ ان کی بدولت اردو کی ادبی شعری کاوشوں کا آغاز اسی خطہ سے ہوا۔ اردو شاعری کی تقریباً سبھی انواعِ سخن کی نہ صرف یہیں سے ابتدا ہوئی ہے بلکہ ہر دور میں ان پر طبع آزمائی بھی جاری رہی۔ چنانچہ دکنی شعراء میں والیانِ سلطنت سے زیادہ پیرانِ طریقت کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن میں حضور کے مدحتی قصیدے موزوں کئے جانے کی مخلصانہ روش پائی جاتی تھی ۔شعرائے میں قصیدہ نگاروں کی حیثیت سے قلی قطب شاہ معانیؔ، ملا وجہیؔ قادری، غواصیؔ، شاہیؔ اور ملا صوفی نصرتیؔ قادری بیجا پوری کے نام نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ امینؔ گجراتی و معظمؔ بیجا پوری کی نعتیہ قصیدوں نے بھی باقاعدہ قصیدہ گوئی کے ذوق کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے سید الکونین سے اپنی اور اپنے دور کے اصحابِ ذوق کی وابستگی کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔ ماضی قریب میں امیرؔ مینائی نعتیہ قصیدہ گوئی میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ اسد علی خاں تمناؔ کو نعتیہ قصیدہ نگاروں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ حیدرآباد دکن کے قصیدہ گو شعراء میں احمد علی شاعر کو نعتیہ قصیدہ نگاری میں نہ صرف مہارت تامہ حاصل تھی بلکہ ان کی ذات و شخصیت ایک نامور نعتیہ و قصیدہ گو شاعر کی حیثیت سے معروف ہے۔

نعتیہ قصیدہ گوئی کے میدان میں محسنؔ کاکوروی بھی خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اردو ادبی دنیا ان کے قصیدوں کی رسیا معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اردو یا ہندوستان کے ''حسان ثانی'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ محسنؔ کے قصیدہ کی تشبیب، حسنِ شعری کے علاوہ جدت طرازی کی عمدہ مثال قائم کرتی ہے۔ اسی روشنی میں ان کے نعتیہ قصیدۂ ''المدیح خیر المرسلین'' کو ناقدینِ اردو ادب کافی اہمیت دیتے رہے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی کی ایک اور مثنوی ''چراغ کعبہ'' کے نام سے موسوم ہے جس میں واقعہ معراج النبی کو موزوں کیا گیا ہے۔ اس مثنوی ''چراغ کعبہ میں ۴۶۲/اشعار ہیں۔

واضح مباد اس مثنوی میں واقعہ ''اسرا'' کے ساتھ سراپائے رسول کا بیان بھی موجود ہے۔

حضور پُر نور کی قصیدہ گوئی کے ضمن میں ایک درخشاں نام اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ کا ہے آپ کے دیوان میں کل بارہ نعتیہ قصیدے ملتے ہیں۔ان تمام قصیدوں کی تشابیب مروجہ انداز سے ہٹ کر مکمل نعتیہ رنگ میں موزوں ہوئی ہیں۔آپ کا'' قصیدہ معراجیہ'' ماضی قریب کے تمام نعتیہ قصیدوں میں محاسن وخوبیوں کے ساتھ ساتھ فن شعری کی معراج پر پہنچا ہوا ہے کیونکہ اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی قدس سرہ کے قصیدوں میں مضامین کی وسعت ومعنویت کا عنصر اور تخیلات کی تہہ داری خاص طور پر نمایاں ہے۔ان محاسن کے پیش نظر،حضرت امام احمد رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ معراجیہ کمالاتِ شعری وقصیدہ نگاری کا بہترین نمونہ تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نظر نہیں آتا۔ اس وجہ سے بھی کہ' قصیدہ معراجیہ'' آپ کے دیگر کلام کی طرح فنی اور تقدیسی شان لئے ہوئے ہے بلکہ جدت وجدیدیت کی اعلیٰ مثال قائم کرتا ہے۔قصیدے کی تشبیب کوتغزل کے رنگ وآہنگ میں ملاحظہ فرمایئے:۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے ترانے طرب کے ساماں عرب کے مہماں کے لئے تھے
بہار کو شادیاں مبارک، چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنا دل کا بولتے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
یہ جوت پڑتی تھی ان کے رخ کی عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

نعتیہ قصیدہ خوانی کی مہذب اور مذہب پسند یہ صنفِ شعری دکن، بیجاپور، بیدر اور حیدرآباد وغیرہ میں وسعت پاتی ہوئی ارتقائی کیفیتوں سے ترقی کے زینے طے کرتے ہوئے جب ساری اردو دنیا میں مقبولیت حاصل کر لی تو عروض وبلاغت کے ماہرین وناقدین شعروادب نے اس کے ضابطے و قاعدے مدون کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔لیکن جس طرح ہر نو ایجاد شدہ چیز ابتدائی مرحلوں یا ارتقائی منزلوں سے ضرور گزرتی ہے اسی طرح نعتیہ قصیدہ گوئی بھی ہر دور میں تدریجی مرحلوں سے گزرتی رہی۔یہاں تک کہ مرزا رفیع سوداؔ کی اصلاحی وفنی کوششوں بلکہ پیش رو مخلصینِ فن و ادب

دوست حضرات کی دلچسپیوں سے دیگر اصناف کی طرح اس کی حیثیت مکمل ادبی اور فنی خوبیوں میں ڈھل گئی۔ باالفاظ دیگر نعتیہ قصیدہ کا کینویس تو تیار کیا تھا دکنی صوفیائے کرام نے۔۔۔اور۔۔۔اس پر ادبی سلیقے کے حسین نقوش مرتسم ہوئے شمالی ہند و دیگر مقامات کے ادبی رساموں (آرٹسٹوں) وسخن طراز فنانوں کی محنت شاقہ کی بدولت۔

نعتیہ قصیدوں کی طبع آزمائی کا راست تعلق چونکہ نبی رؤف و رحیم کی تعریف و مدح سرائی اور آپ کی ستائش ومحامد بیان کرنے سے تھا لہٰذا ان ماہرین عروض و بلاغت نے دقت طلب اصولوں سے صرف نظر کرتے ہوئے محض فنی قواعد کی پابندی اور اصول نظم بندی سے اس کے اجزاء یعنی مطلع، تشبیب، گریز اور دعاء، تجویز کرنے پر ہی اکتفاء کیا۔لیکن اس کے باوجود بعض نعتیہ شعراء نے ان اجزائے قصیدہ نگاری سے بھی اجتناب برتتے ہوئے سرکار رحمت ہر جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور قصیدہ کی صورت گری میں غزلیہ ونظمیہ طرز کی آمیزش کو روا رکھا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکارِ رسالت کی ذاتِ مبارکہ اور ان کی توصیف و مدحت صرف کتاب وسنت کی روشنی میں تخلیق پاتی تھی۔ سچی بات یہ کہ یہی توسط شعری، مدحتِ نبوی کا پہلا اور بنیادی اصول ہے۔

قصیدہ کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس میں مدحتِ نبوی اور اصول شاعری کو برتنے کے تمام رویے روبہ عمل لائے جا سکتے ہیں۔اس طرح حسنِ شعری کو بروئے کار لانے کے تمام مواقع میسر ہوتے اور نعتیہ اوصاف کی تکمیل کے تمام گوشے با کمال وتمام مہیا رہتے ہیں۔اساتذۂ سخن نے قصیدہ کی ابتدا اور ارتقائی منزلوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ قصیدہ کی تعریف میں یہ بیان ملتا ہے۔

’’نعت کی تمام ضرورتوں کی تکمیل ’’نعتیہ قصیدہ‘‘ میں روا رکھی جاتی ہے۔۔۔قصیدہ نگاری کے اجزاء یعنی مطلع، تشبیب، گریز اور دعاء کو ’’نعتیہ قصیدہ‘‘ میں جگہ دی جاتی ہے۔اس سلسلہ میں کوئی سخت اصول مدون نہیں کئے گئے بلکہ یہ شاعر کی قوت تمیز پر مشتمل ہے کہ وہ قصیدے کے اجزائے ترکیبی کو اپنے انداز میں استعمال کرے۔نعتیہ قصیدہ کی روایت دکن سے شروع ہو کر دہلی تک پہنچی اور دہلی سے لکھنؤ ہوتی ہوئی رامپور اور بھوپال سے حیدرآباد پہنچی۔‘‘ (ذوق ادب حصہ دوم ص ۱۲، ۱۴ ناشر اردو اکیڈمی حیدرآباد)

حق کی بات یہ ہے کہ فی زمانہ قصیدوں کی اہمیت نا کے برابر رہ گئی ہے۔ چاہے وہ ادبی ہوں یا نعتیہ قصیدے اور جہاں کہیں قصیدہ لکھنے کا رواج باقی ہے بھی تو صرف اور صرف نعتیہ یا منقبتی قصیدوں کا ہے۔ جیسے مذہبی اور صوفیا کے عقیدت مند شعراء حضرات۔ واقعہ یہ ہے کہ امتدادِ زمانہ اور

وقت کے تقاضوں کا اثر شاعری پر بھی پڑتا رہا ہے۔ چنانچہ لوگوں میں ذوق شعری کا فقدان یا مختصر سے کاوشات شعری ہی کو سننے کی طرف مائل رہنا، نعتیہ شعروشاعری کے رجحان میں کمی آجانا، اس کے برخلاف مزاحیہ شعروشاعری کے خوگر بن جانا، محض تضیع اوقات کے لئے شعروسخن کی محفل کو اہمیت دینا، سطحی شاعری کا چلن عام ہوجانا بھی ان محرکات میں شامل ہے۔ علاوہ ان تمام کہ آج کے دور میں قلت وقت کا مسئلہ درپیش ہونا، لوگوں کا یہ رجحان کہ جلد ہی مقصد براری یا نتیجہ خیزی حاصل کرنے کی جستجو یا پھر شعروسخن کے ذوق کا سرے سے مفقود ہوجانا وغیرہ یہ ایسے عوامل ہوسکتے ہیں جس کی وجہ سے قصیدوں کی جگہ آہستہ آہستہ نظمی سہروں، تہنیتی غزلوں، دعائیہ نظموں یا قطعوں اور رباعیوں نے لے لی ہے۔ لیکن ان تمام عوامل کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اردو شاعری کی تمام صنفوں، ہیئتوں اور قصیدوں میں نعتیہ کلام موزوں کرنے کی باادب روایت کم ہی سہی، مگر آج بھی بہ حسن وخوبی علمائے کرام اور عرفائے عظام میں جاری وساری ہے۔ لحاظہ اس کی گھٹتی ہوئی یا روبہ زوال کیفیت کو پھر سے پروان چڑھانے کے لئے ہمارے ناقدین ادب کو اس طرف توجہ مبذول کرنا ناگزیر سمجھنا چاہیے۔

حضرت سید الشعراء کے قصیدۂ معراجیہ کا جائزہ

رہ گئی بات حضرت سید محمد اشرفی جیلانی کے قصیدوں کی۔ آپ کے کلام میں بھی متعدد قصیدے ملتے ہیں جس میں سے ایک معرکتہ الاراء قصیدہ معراج نامہ ہے جو ۱۹۵۶ء کا مطبوعہ ہے۔ ماباقی ''عید میلاد النبی'' اور ''نور نبی'' کی آمد کے عنوان جو قصیدے محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے موزوں کئے تھے وہ ماہنامہ ''اشرفی'' کے جریدے ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۶ء میں شائع ہوتے تھے جو آپ ہی کی ادارت میں آپ کے نانا کے ذاتی پریس کچھوچھا مقدسہ سے شائع ہوتا رہا۔ سید کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے شعری تخلیقات کی روشنی میں ''قصیدۂ معراجیہ'' کو ان کے قصیدوں کا شہکار قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ قصیدہ مبارکہ ایک ادبی بزم ''گلزارِ ادب کچھوچھا'' کے طرحی مصرعہ ''شبِ معراجِ محبوبِ خدا ہے آج'' ۱۹۵۶ء میں ماہ رجب میں منعقدہ ایک مشاعرے کے موقع پر لکھا گیا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس قصیدہ میں کل تین تشابیب ہیں۔ اول ''معراج النبی'' کے متعلق جو نیچرل سینیری کے نام سے موسوم ہے۔ ان اشعار میں حضور کی شانِ معراج اور شبِ معراج، عالم قدس سے فرشتوں کی آمد، فرشتوں کے جھرمٹ و بارات میں عروج کا منظر اور اسی سے متعلق تمام واقعات صنعتِ سہل ممتنع میں بیان ہوئے ہیں۔ تشبیبِ دوم ''تاریخی وعلمی'' کے بارے میں مرقوم ہے۔ تیسری وآخری تشبیب تمہید میلاد شریف کے عنوان سے مرقوم ہے۔

تشبیب

اصطلاح شعری میں قصیدہ کی ابتدا جن اشعار سے کی جاتی ہے اسے ''تشبیب'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔تشبیب عربی لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں آگ سلگانا' ایام شباب کا ذکر کرنا' عشق کا بیان کرنا۔شعری یا سخن طرازی میں معشوق کی صفت میں غزل کہنا۔شاعری میں یہ سبھی معانی بن سکتے ہیں۔ گویا نعتیہ شاعری میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اپنے طالب حقیقی کی محبت کو عشق حقیقی کی مہمیز لگانا۔''تشبیب'' دراصل قصیدہ کی شان اور شعری تنوع کی مظہر ہوتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالمجید بیدار (صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی حیدرآباد)' حضرت سید محمد اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۶۱ء) کے معراج نامہ کی تشبیب پر خامہ فرسائی کرتے ہیں:۔

''معراج نامے'' کی یہ خصوصیت ہے کہ اس شعری اظہار کے توسط سے حضرت علامہ نے جہاں منظر نگاری کو جگہ دی ہے وہیں ہر مصرعہ کو خیال کی بلندی تک پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ ''معراج نامہ'' کی تشبیبِ اول ''نیچرل سنیری'' پر مرکوز ہے۔جس کے توسط سے مسلسل پینسٹھ (۶۵) اشعار حضرت علامہ نے فطری منظر کو پیش کرتے ہوئے جہاں موجِ صبا' بادِ بہاری' ابرِ کرم اور بزمِ ہستی کا ذکر کیا ہے وہیں گل ہائے رنگین' فرازِ کوہ' شب کے ستاروں اور سیاہی کے علاوہ حرم' حجرے' پھول اور مستی کے حوالے سے ایسی دلفریب منظر کشی کی ہے کہ جس کو پڑھ کر تحسین کے ساتھ ساتھ شاعر کی زبان و بیان اور شعر فہمی پر دسترس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ جہاں تشبیبِ اول کو فطری منظر نگاری سے وابستہ کیا گیا ہے وہیں شاعر کے فن کا یہ کمال ہے کہ اس نے علمی بصیرت اور فکری فضیلت کو کام میں لاتے ہوئے ''معراج نامہ'' کی تشبیب دوم کو تاریخی علمی پس منظر میں نمایاں کیا ہے ۔تشبیب کے اس دوسرے حصہ میں بھی تاریخی واقعات اور علمی احساسات کو بیان کرنے کے دوران جہاں شعری حسن اپنے جلوے دکھاتا ہے وہیں واقعات کی پیش کشی مرحلہ وار شعری حسن میں ڈھل کر یہ ثابت کرتی ہے کہ شاعر نے منظوم پیش کشی کے دوران حسن کاررانہ دلائل اور فنکارانہ اظہار کے ذریعہ شاعری کو کرامت کے درجہ میں داخل کر دیا ہے۔

تشبیبِ دوم کے تمام تر اشعار میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی روانگی سے لے کر واپسی تک کے احوال کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ ہر شعر پر دل کی گہرائیوں سے دادو تحسین کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔''

(''محدث کچھوچھوی کے منظوم معراج نامہ کی امتیازی خصوصیات'' ص ۲۔از ڈاکٹر سید عبدالمجید بیدار۔ پروفیسر وصدر شعبہ

اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد)

قصیدہ کے تین تشابیب

تشبیب اول کے چند اشعار دیکھئے:۔ ؎

یہ کیسی موج میں بادِ صبا ہے   خمار آلود جھونکوں میں ہوا ہے
اگر وہ مئے نہیں مئے موش ہوگا   فرازِ کوہ سے جو گر رہا ہے
یہ کیوں ابر بہاری چھا گیا   کہ جو ہے مست ہے آخر یہ کیا ہے
ادھر دیکھو تو جلوہ ریز ہے حسن   ادھر دیکھو تو نغمہ عشق کا ہے
عجیب مستی میں کل ارض و سما ہے   یہ بزم ہست ہی یا میکدہ ہے
یہ رنگیں گل ہیں کیوں شبنم بداماں   نگاریں جامِ صہبا سے بھرا ہے

(معراج نامہ سید کچھوچھوی)

تشبیبِ دوم 'معراج' کے 'تاریخی و علمی' عنوان سے درج ہے جو چار سو بتیس (۴۳۲) اشعار پر محیط ہے۔ اس تشبیب و گریز میں بعثتِ نبوی سے پہلے مکہ مکرمہ کے حالات کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس میں سلاست بیانی کا وہ انداز اپنایا گیا ہے جسے کم تعلیم یافتہ طبقہ اور سرسری معلومات رکھنے والے لوگوں کے ذہنوں میں اتر جائے تا کہ انہیں واقعہ معراج یاد ہونے میں کوئی دقت یا مشکل پیش نہ آئے۔ تشبیب دوم اس طرح شروع ہوتی ہے۔ ؎

یہ تیرہ سو برس کا واقعہ ہے   زبانِ وحی سے جس کو سنا ہے
ابھی اسلام کی بس ابتداء ہے   خدا کا گھر ابھی تک بت کدہ ہے
بہت کم ہیں سعادت مند روحیں   جہاں پر کفر کی کالی گھٹا ہے
پیام امن پر سارے عرب میں   لگی ہے آگ اک فتنہ بپا ہے

تشبیبِ سوم عیدِ میلاد النبی کے زیرِ عنوان موزوں کی گئی ہے۔ اسلام میں عید میلاد النبی کے عنوان کو بھی معراج رسول کی طرح ایک اہم ترین بلکہ اسلام کا بنیادی و عظیم الشان عنوان کی حیثیت حاصل ہے اور اسے تمام موضوعات پر تفوق حاصل ہے۔ اسی لئے ابتدائے اسلام سے ہی میلاد النبی کا عنوان شعراء حضرات کا پسندیدہ موزوں سخن رہا ہے۔ اور آخر میں معہ سلام بہ حضور خیر الانام چونتیس (۳۴) اشعار درج ہیں۔ اس طرح یہ قصیدہ کل ملا کر پانچ سو بتیس (۵۳۲) اشعار پر پھیلا ہوا ہے۔

تشبیب سوم کے ابتدائی اشعار یوں درج ہیں:۔

یہاں اور یہ جو کچھ ہو چکا ہے　　کوئی قصہ نہیں ہے واقعہ ہے
گیا نورِ خدا اگر عالم نور　　تو حیرت کیا ہے استعجاب کیا ہے
تعجب ہے تو اس پر ہے کہ وہ نور　　زمیں پر کس طرح پیدا ہوا ہے
یہ قدرت کی ہے تحریک قسریٰ　　کہ نوراللہ ہم میں آ گیا ہے
یہاں معراج کا میں کر رہا تھا　　زباں پر نامِ میلاد آ گیا ہے

سید محمد اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا معراج نامہ کافی طویل یعنی ۵۳۲ اشعار پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں معراج النبی کے ذکر کے ساتھ کچھ میلاد النبی وسلام سے متعلق اشعار بھی شامل ہیں، جو دراصل تتمہ کے طور پر منظوم ہوئے ہیں۔ اگرچہ کہ آپ ہی کے معاصرین میں متعدد نعتیہ قصیدے ایسے بھی درج ملتے ہیں جو ادبی محاسن سے معمور اور نعتیہ اوصاف سے بھر پور ہیں۔ ان قصیدوں میں سید محمد اشرفی کا ''معراج نامہ'' منظر نگاری کی بہترین مثال قرار پا سکتا ہے۔

یہ حقیقتِ معراج کی وضاحت کرنے والا ایک ایسا شعری اظہار ہے کہ اس میں معترضین کے بے جا خدشات اور منکرین معراج کے بے وجہ اعتراضات کے بھی جوابات دئے گئے ہیں جس کے توسط سے معراج میں وقوع پذیر ہونے والے کئی امور کا خلاصہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ بعض عقل سے عاری اور مادی نظریات کے حامی لوگ کہا کرتے ہیں کہ جسم کثیف ہے، کثیف شئے اوپر کیسے جا سکتی ہے۔! حضرت سید کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے ''معراج نامہ'' کے شعری اسلوب میں بڑی روانی، برجستگی کے ساتھ والہانہ طرز سے اس خام خیالی اور باطل نوازی کا پردہ یوں چاک کیا ہے۔ ؎

نہیں معراج میں حیرت کا موقع　　کہ مرکز، اپنی ہر شئے کھینچتا ہے
جھکاؤ جس طرف شعلہ کو چاہو　　مگر پاؤ گے اوپر جا رہا ہے
بسا نورِ خدا اگر عالمِ نور　　تو حیرت کیا ہے تعجب کیا ہے

قصیدۂ ''معراج نامہ'' کی پہلی بار اشاعت محمد ایوب نامی شخص کے زیر اہتمام سرزمین بنگال سے عمل میں آئی تھی۔ جب کہ اس کے ناشر ہیں اسٹائلش پرنٹنگ ورکس اسمعیل لین کلکتہ۔ ''معراج نامہ'' کا شائع شدہ یہ قدیمی نسخہ ۱۹۵۶ء کے آس پاس کے سنہ کا چھپا معلوم ہوتا ہے۔ بڑے سائز کے اس کتابچہ کے ایک ایک صفحہ پر چار مصرعے ایک ہی سطر میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ یہ نسخہ بوسیدہ حالت اور شکستہ اوراق میں مختار اشرف لائبریری کچھوچھا میں محفوظ ہے۔ محدث پاک کے اس''

معراج نامہ'' کے ناشر نے انواعِ ادب کے کسی ایک شعری نوع سے مختص نہیں کیا ہے۔ ناشر محمد ایوب کی فکرِ شعری کی رو سے معراج نامے کے اشعار کسی ایک ہیئت شعری سے مکمل تعلق نہیں رکھتے بلکہ یہ کلام بیک وقت نظم بھی ہے، قصیدہ بھی اور غزل بھی۔ چنانچہ وہ بڑے ہی اعتماد کے لہجہ میں ''معراج نامہ'' کے مقدمے ''پہلے اس کو پڑھ لیجئے'' کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہ نظم ہے نہ تو مثنوی ہے کہ ہر ہر شعر کا قافیہ ردیف جدا گانہ ہو نہ غزل ہی ہے جس میں صرف نزاکتِ تخیل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور نہ قصیدہ ہی ہے۔ جس میں مدحت واظہارِ حقیقت ہی کے جذبات و مناظر ہوتے ہیں۔ بلکہ ان تمام اصنافِ شاعری کا یہ مجموعہ سب سے بلند و بالا ہے۔ ۔۔۔۔آپ کے ہاتھ میں ایک ایسی نظم ہے جس نے وسعتِ اختیارات کی رعایت کو ٹھکرا دیا ہے اور اردو شاعری میں ایک جدید اقدام کر کے اپنا بالکل نیا اور اچھوتا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ (معراج نامہ سید کچھوچھوی مقدمہ از۔ محمد ایوب ص۔ ۲) یہاں ''معراج نامہ'' کے چند ایسے اشعار پیش ہیں جن میں نظم غزل اور قصیدوں کا رنگ و آہنگ نمایاں ہیں۔

سراپا ہے عشق ہے ہر جلوۂ حسن وفورِ عشق میں حسن آ گیا ہے
تجلی کیسی بکھری ہے زمیں پر یہ جو بن کس کا یوں نکھرا ہوا ہے
یہ کس نے لہلہا یا سبزۂ زار ڈوپٹہ دہانی دہانی چن رہا ہے
نہیں ہے عشق میں اب کوئی آزار نہ اب کوئی بھی دل درد سے آشنا ہے
وہ با رونق ہے بابِ امِ ہانی کہ جو ہے وہ اسی کو تک رہا ہے
نہیں آتا سمجھ کے بھی سمجھ میں خدا وندا یہ کیسا ماجرا ہے
بتایا اس کو اس کو یہ روح الامیں نے ''شبِ معراجِ محبوبِ خدا ہے''

ناشر قصیدہ کے مذکورہ وضاحتی بیان کے باوجود حضرت سید محمد اشرفی الجیلانی کی یہ منفرد البیان نظم ''معراج نامہ'' کو قصیدۂ معراجیہ ہی سے شہرت حاصل ہے۔ خود ناشر ''معراج نامہ'' محمد ایوب صاحب نے قصیدہ نہ بھی مانتے ہوئے اس کے تقابلی مطالعہ و محاسن بیان کرنے کے دوران اردو کے دو معرکۃ الآراء قصیدوں کو زیرِ بحث لایا ہے۔ ناشر محمد ایوب، محسنؔ کے قصیدۂ ''المدیح خیر المرسلین'' اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ''قصیدۂ معراجیہ'' کے علاوہ اردو میں کوئی اور قابلِ ذکر و مشہور قصیدہ کی عدم دستیابی پر نعت گو شعراء سے اس بات کے شاکی ہیں کہ انہوں نے اس قصیدہ کے محاسن اور اوصاف شعری و کمال سخن دانی کی طرف توجہ نہیں دی ہے۔ ساتھ ہی وہ مذکورہ دونوں

قصیدوں کی قصیدہ خوانی میں رقم طراز ہیں:۔

''اس نظم (سیدؔ کچھوچھوی کا معراج نامہ) میں معراج شریف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس واقعہ کی اسلامی دنیا پر ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے مجھ کو یہ کہتے ہوئے خود شرم آتی ہے کہ ہمارے شعراء نے کس قدر کم حصہ لیا گویا کچھ حصہ ہی نہ لیا اور مجرمانہ غفلت برتتے رہے۔

اس خصوص میں ہمارے سرمایہ ادب میں صرف دو قصیدے ہیں ایک حضرت محسنؔ کاکوروی علیہ الرحمہ کا اور ایک اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت رضاؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ ان میں سے قصیدۂ محسنیہ تو استعارات وکنایات کا ایک گل دستہ ہے جس کی خوش بو مطالعہ کرنے والے کو بیخود و محوِ حیرت بنا دیتی ہے۔ لیکن واقعہ نگاری کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور قصیدہ رضویہ ایک علمی خزانہ ہے جس پر دنیائے اسلام کو ناز ہے لیکن اس میں واقعات نگاری سے زیادہ ان حالات وجذبات کی تصویر کشی ہے جو واقعہ کو سامنے رکھ کر مداح کی آنکھوں میں سما گئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس جذبات کے اظہار میں اس (واقعہ) کا بے حد لحاظ کیا گیا ہے جو خود واقعہ میں موجود ہے۔ مگر واقعہ کو واقعہ کی صورت میں بیان کرنے کا پہلو دب گیا ہے۔ گو قصیدہ کی مجموعی جبروت نے اس (واقعہ کی حقیقت ہی کو دبا دیا ہے۔ لیکن آج آپ کے ہاتھ میں جو نظم ہے وہ استعارات وکنایات اور علوم و فنون وجذبات کے ساتھ ساتھ خاص واقعہ نگاری کا وہ شہکار ہے جو کوئی مثالِ سابق نہیں رکھتا۔''

(معراج نامہ سیدؔ کچھوچھوی مقدمہ از۔ محمد ایوب ص۔ ۲)

حضرت محدث اعظمِ ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی شعری صلاحیت' وسعتِ تخیل کے نمونے' تہذیب واخلاق کے سرچشمے اور نزاکت صوروی ومعنوی کے تراشے معراج نامہ کے متعدد اشعار میں جلوہ گر ہیں۔ جس کو محض سخن سنجی ہی تک محدود نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اسی تسلسل میں معراج کے اسرار و رموز کو تشبیہات واستعارات کے ذریعہ منکشف کر دیا ہے۔ یہ اوصاف آپ کی فکر کی توانائی کی مظہر ہیں۔ کمالِ فن کی منہ بولتی مثال یہ ہے کہ ان محاسن کے ساتھ ساتھ معراج نامے میں جابجا حضور جانِ نور کے خصائص اور بے مثلیت کے بھی دلائل سمو دیے ہیں۔ ؎

سنو! جبرئیل سدرہ چھوڑ دو تم   کہ وقت کا سرکار آرہا ہے
مرے محبوب سے جا کر یہ کہدو   بلاتا عرش پر تم کو خدا ہے
بجھا دو مشعلِ خورشید فوراً   کہ اس دم اوج پر شمس الضحیٰ ہے
اگر کھولیں گے باب امِ ہانی   تو خطرہ ان کے پر کا بال کا ہے

لہذا توڑ کر چھت، گھر میں آئے　　عجب انداز کا یہ داخلہ ہے
یہ حکمت ہے جب محبوب دیکھیں　　سمجھ لیں آج ہر پردہ ہٹا ہے
نہانے میں گرا ہے جتنا پانی　　ستاروں نے کٹورا بھر لیا ہے
ہے جوبن ان کے دھون کا ٹپکتا　　یہ تاروں کی چمک بس اور کیا ہے

قصیدۂ حضرت محدث اعظم کے بالاستیعاب مطالعہ سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اس قصیدہ کے سامنے اعلیٰ حضرت کا فقید المثال قصیدۂ معراجیہ بھی پیشِ نظر تھا۔ ایسا ہونا باعث تعجب بھی نہیں۔ تبھی تو زبان و بیان کے معاملے میں ''قصیدۂ معراج نامہ'' میں کہیں کہیں استفادے کی جھلکیاں ضرور دکھائی دیتی ہیں۔ حضرت سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ کی اس طبع آزمائی کی روش سے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنے قاری کو اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کمالِ شعری کا تاثر بھی دینا چاہتے تھے اور ساتھ میں بیانِ معراج کا اظہار بھی۔ اس خصوص میں ناشر قصیدہ محمد ایوب لکھتے ہیں:۔

''اس میں شبہ نہیں کہ قصیدہ رضویہ کے سامنے اس نظم میں تلمذ کی بو آتی ہے بلکہ ایسے نازک موقعوں پر جہاں قلم کی احتیاط پر قانونِ شریعت کا دبدبہ بطور سنسر قائم ہے اس نظم نے استاد کے لفظوں کو نقل کر دینے میں اپنی پناہ پائی ہے۔۔۔۔۔ اس نظم کی تقطیع مفاعیلن۔ مفاعیلن۔ فعولن ہے۔'' اس نظم کا قافیہ 'ہوا' بھرا' وفا ہے اور ردیف 'ہے' ہے۔۔۔۔۔ اور اسلامی دنیا میں حضرت مصنف کا جو پایہ ہے اس کو سامنے رکھ کر یہ نظم سراپا کرامت ہی کرامت ہے۔ (ایضاً)

محدثِ اعظم حضرت سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے اس قصیدہ یا نظم کی تشبیب کے چند اشعار پیش ہیں:۔

یہ کیسی موج میں بادِ صبا ہے　　خمار آلود جھونکوں میں ہوا ہے
یہ کیوں ابر بہاری چھا گیا ہے　　کہ جو ہے مست ہے آخر کیا ہے
عجب مستی میں کل ارض و سماں ہے　　یہ بزم ہستی ہے یا میکدہ ہے
یہ رنگیں گل ہیں کیوں شبنم بداماں　　نگاریں جامِ صہبا سے بھرا ہے
اگر وہ مئے نہیں مئے نوش ہوگا　　فرازِ کوہ سے جو گر رہا ہے
یہ وہ مئے ہے جسے رات دن پینا　　روا ہے ہاں روا ہے ہاں روا ہے
جنید و شبلی و عطار ایں مست　　یہ مئے ہے، جو حیاتِ اولیاء ہے
خطا کار اس کو کہتے ہیں خطا پوش　　کہ ستاری کی پھیلی اک ردا ہے

قصیدہ کے ایک جز وجس کو ناشر قصیدہ نے تاریخی وعلمی تشبیب سے موسوم کیا ہے اس کے ابتدائی اشعار دیکھئے:۔

یہ تیرہ سو برس کا واقعہ ہے زبانِ وحی سے جس کو سنا ہے
ابھی اسلام کی بس ابتداء ہے خدا کا گھر ابھی تک بت کدہ ہے
بہت کم ہیں سعادت مند روحیں جہاں پر کفر کی کالی گھٹا ہے
پیام امن پر سارے عرب میں لگی ہے آگ اک فتنہ بپا ہے
جیتا ہے تو بس نیکی کے ضد میں جسے دیکھو بدی پر مرا ہے

حضرت سید محمد اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدۂ معراج کی تیسری تشبیب جو "تمہیدِ میلاد شریف" کے زیرعنوان مرقوم ہے۔قصیدہ کا ایک ایک شعر معراج کی رات کی عکاسی کرتے ہوئے شبِ اسراء کی توضیح وتشریح کا نمائندہ بن گیا ہے۔زبان و بیان کی شیرینی' الفاظ کی ندرت اور سادگی میں تازگی کے اوصاف یوں بھر دیے ہیں گویا معراج نامہ انفرادی اور جدت و جودت پسندی کے حسین رچاؤ کا نادرنمونہ بن گیا ہے بلکہ عقلی وشرعی دلائل سے دل بستگی اور بیان کی شگفتگی کا ایک مرقعِ معراج بھی ہے۔چند اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

بیاں اوپر یہ جو کچھ ہو چکا ہے کوئی قصہ نہیں ہے واقعہ ہے
نہیں معراج میں حیرت کا موقع کہ مرکز اپنی ہر شئے کھینچتا ہے
کوئی ڈھیلا اٹھا کر اونچا پھیکو تو دیکھوگے زمیں پر گرا ہے
جھکاؤ جس طرف شعلہ کو چاہو مگر پاؤگے اوپر جارہا ہے
ہر ایک شئے اپنے مرکز کو ہے جاتی کشش کا مسئلہ مانا ہوا ہے
گیا نور خدا اگر عالم نور تو حیرت کیا ہے استعجاب کیا ہے

سہ لسانی شاعری یعنی عربی' فارسی اور اردو میں قصیدہ خوانی کی تاریخ گواہ ہے کہ ادبی قصیدوں میں جو کہ شاہوں ونوابوں کی شان میں لکھے جاتے اور اس ضمن میں تعریف و ستائش کے ضمن میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے جاتے ہیں۔قصیدہ میں تعریفوں کے پل باندھنے کی یہی خوبی کمالِ شاعری پر منطبق کی جاتی تھی اور پذیرائی بھی ایسے ہی قصیدوں کی ہوتی تھی۔ برخلاف اس کے مذہبی قصیدے پر خصوص نعتیہ قصیدوں میں اس قسم کے مضامین باندھنا تو کجا خفیف سی مبالغہ آرائی کی گنجائش بھی ممکن ہی نہیں ہوتی۔ادبی قصیدوں کی ان روایتوں کے قطع نظر حضرت سید محمد اشرفی

کچھوچھوی محدثِ اعظم کے ''معراج نامے'' میں ادبی و مذہبی حسن بیان کی ایسی خوبی سموئے ہوئے ہے جس کا ہر شعر تاریخی حقیقت اور عقیدت سے لبریز ہو گیا ہے۔ جس میں کہیں بھی مبالغہ آرائی یا پھر کسی بھی شعر میں عقیدت کے پس منظر میں ہی سہی حقیقت حال سے بے نیازی (حقیقت سے بعید) یا اعراض کا رویہ اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ محدث کی شاعری میں اظہار کی چستی بذات خود مذہبی روایتی اساس کی توسیع کا درجہ رکھتی ہے۔ حد یہ کہ حضرت علامہ سیدؔ کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اظہار کی حقیقت کو پیش کرنے کے لئے بھی قرآنی آیات کو مصرعوں میں استعمال کر کے ایسی کیفیاتی فضاء تیار کی ہے کہ قاری کو عربی آیات سے ناواقفیت کے باوجود شعر اور مصرعہ پڑھ کر اس کی کیفیاتی فضاء سے لطف اندوز ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔ آپ کی جدت طبع کا یہ ایسا وصف ہے جو انہیں شاعری پر دست رس حاصل ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ درحقیقت شعر میں خیال کی پختگی ہی نہیں بلکہ اظہار کی بالیدگی بھی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ چوں کہ یہاں اسلامی خیالات اور قرآنی واقعات بیان کرنے کا مرحلہ ہے اسی لئے محدثِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تبحر علمی اور شریعت کی حد بندی میں خیال کی باریک بینی کو رواں لفظوں میں پیش کرنے کی بھر پور کامیاب کوشش فرمائی ہے علاوہ ازیں عقیدت کو محض شعر ہی سے وابستہ نہیں کیا ہے بلکہ اسے کتاب وسنت کی تعلیمات و ہدایات سے بھی مربوط کر دیا ہے۔ کچھ اشعار پیش ہیں۔

ستارے کھلتے چھپتے ابر میں ہیں — کہ ساغر میکدہ کا ڈھل رہا ہے
عجب شب ہے کہ جس شب کی سیاہی — سویدا دل کا یا تل آنکھ کا ہے
خزاں پھولوں کی ہے چادر میں سوتی — ابد تک اب بہارِ جاں فزا ہے
بہم ہیں طالب ومطلوب دونوں — نہیں باقی کسی کا مدعا ہے
یہ سمجھو جیسے بجلی کوندتی ہے — براق اڑتا ہوا یوں جارہا ہے
غبارِ راہ جو ہوتے ہم دکھاتے — ہمارے سر پہ ان کا نقش پا ہے
میں ہوں مداح مدحت میرا مقصود — نہ جانوں کیا ردیف کیا قافیہ ہے
بس اے سیدؔ محمد کی یہی رات ہے — ''شبِ معراجِ محبوبِ خدا ہے''

سید الشعراء کے قصیدہ کی جدید ہیئت اور محاسن

قصیدہ کی جس کیفیتی فضا میں محدثِ اعظم علیہ الرحمہ نے نظم و مثنوی کے ملے جلے امتزاج سے معراج نامہ رقم کیا ہے وہ اردو قصیدہ نگاری میں ایک نئی نہج اور جدید نوعِ شعری کے تناظر میں دیکھے

جانے کے لائق ہے اور متقاضی بھی۔ کیوں کہ یہ ایک نظمیہ قصیدہ ہے جس میں ''گریز'' بیان کرنے سے بھی گریز کیا گیا ہے۔

قصیدہ معراج میں محاسن کی تلاش کے دوران چند اہم امور پر روشنی پڑتی ہے۔

اول یہ کہ یہ قصیدہ اپنی ہیئت میں نظم، قصیدہ اور غزل جیسی خصوصیات کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ اس کی طبع آزمائی طرحی مصرعہ پر ہوئی ہے جب کہ اردو قصیدوں میں ایسی روایت عموماً مستعمل نہیں۔

سوم یہ کہ سید کچھوچھوی کا یہ پورا قصیدہ قافیہ ردیف سے آراستہ اور فنی خوبیوں سے سجا ہوا ہے اس کے برخلاف دیگر قصیدے صرف قافیہ کی پابندی سے موزوں کئے گئے ہیں۔

چہارم یہ کہ اردو ادب کا شہ کار قصیدہ ''المدیح خیر المرسلین'' کی تشبیب کی ابتداء شرک یا کفر ستان سے ہوئی ہے جب کہ سید کچھوچھوی کے ''قصیدہ معراج'' کی ابتداء عربستان سے کی گئی ہے۔

پنجم یہ کہ محسن کاکوروی نے ذات رسالت مآب کو مرکز بنا کر قصیدہ نظم کیا ہے۔ برخلاف اس کے سید کچھوچھوی نے واقعہ معراج کے حوالے سے صفات وعظمت نبوی کو کلام کا محور بنایا ہے۔

ششم یہ کہ دیگر قصیدوں کی بہ نسبت ''معراج نامہ'' میں نادر تشبیہات و استعارات کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ غرض ایسی بہت سی خوبیاں اور بھی ہیں جو محققین و ناقدین شعر وسخن اگر اس طرف توجہ فرمائیں تو ان کا قلم آپ کے اس قصیدہ کو دوسرے قصیدوں سے ممتاز وممیز کرسکتا ہے۔

ہفتم یہ کہ طرحی مصرعہ پر ردیف وقافیہ کی پابندی کے ساتھ ۵۲۷ /اشعار پر پھیلا ہوا یہ قصیدہ ''معراج نامہ'' بہ لحاظ ہیئت ونوع اپنی طرز ونوعیت کا ایک منفرد کلام کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے۔ ان ندرتوں سے بلاشبہ قصیدہ نگاری کی شان اور اہمیت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ حضرت سید محمد اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ نے سادہ اور سلیس انداز میں واقعہ کی حسن کاری کو نمایاں کرتے ہوئے شبِ معراج واسراء کی روحانی ونورانی کیفیات، شام وسحر کی عکاسی اور منظر نگاری کی مدد سے تاثرات کی ایک ایسی فضا قائم کی ہے جس سے حقیقتِ معراج کا بیان شاعری کی معراج تک پہنچ گیا ہے۔

سید الشعراء کے زیر بحث معراج نامہ کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد پروفیسر ڈاکٹر عبدالمجید بیدار نے ایک مبسوط مقالے کی معرفت حضرت محدثِ کچھوچھوی قدس سرہ کے قصیدۂ معراج سے وہ آبدار موتی چنے ہیں کہ جس کی تابانی سے کلام سید کی ظاہری اور فنی روشنی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے قلم ذودرقم سے تحریر شدہ اسی مضمون کا اقتباس پیش ہے:۔

''ماہانہ طرحی مشاعرے کے لئے جو مصرعہ بطور طرح دیا گیا تھا اسی کو بنیاد بنا کر حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ نے منظوم معراج نامے کی بنیاد رکھی جس میں واقعہ نگاری کے معاملے میں مثنوی کے طرز کو فروغ دیا گیا اور مدح کے معاملے میں قصیدے کے انداز کی نمائندگی کرتے ہوئے جہاں غزل کی رنگینی و رعنائی کو معراج نامے میں جگہ دی گئی ہے وہیں غزلِ مسلسل کی خوبی بھی اس معراج نامے کی ہیئت پر اپنا اثر دکھاتی ہے۔

''معراج نامے'' کی یہ خصوصیت ہے کہ اس شعری اظہار کے توسط سے حضرت علامہ نے جہاں منظر نگاری کو جگہ دی ہے وہیں ہر مصرعہ کو خیال کی بلندی پر پہنچا دیا ہے۔غرض اتنی طویل شعری مسافت طے کرنے کے بعد حضرت علامہ نے جس شعر پر معراج نامے کو اختتامی مراحل تک پہنچایا ہے اس کا انداز بھی ملاحظہ ہو۔ ؎

بس اے سیدؔ محمد کی یہی رات شبِ معراج محبوبِ خدا ہے
میں مداح ہوں مدحت میرا مقصود نہ جانوں کیا ردیف و قافیہ ہے

حضرت علامہ نے معراج نامہ منظوم تحریر کرنے کے دوران اس اٹل حقیقت کو پیش نظر رکھا ہے، نہ تو مدح کا پہلو ہاتھ سے جانے دیا جائے اور نہ ضم کی کوئی صورت شاعری کے توسط سے معراج نامہ کا حصہ بن جائے اس اعتبار سے ''معراج نامے'' کو ایک متوازن قصیدے کا موقف حاصل ہے اور اس قصیدے میں ''منظری تشبیب'' اور ''علمی و تاریخی شبیب'' باندھ کر شاعر نے قصیدے کے تشبیب کے حصے کو حد درجہ مالا مال کر دیا ہے۔ جب کہ اردو کے بیشتر قصیدہ گو شعراء بہاریہ تشبیب' رندانہ تشبیب یا پھر چاند ورات کی تشبیب کو قصیدہ میں شامل کرنے کے عادی ہیں۔

''معراج نامہ'' ایک ''قصیدہ نما نظم'' ہے جس میں ایک جانب تو مثنوی کے تسلسل کو تجربے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے تو دوسری طرف قصیدہ کے دوسرے جزو یعنی گریز سے اجتناب برتتے ہوئے ایک ایسی شعری ہیئت کو تجربے کے توسط سے استعمال کیا ہے جس میں قصیدے کے تشبیب میں پیش ہونے والی بے راہ روی کا کوئی دخل نہیں۔

عام طور پر اردو کے شاعروں میں ہیئت کے تجربوں اور اصناف کی تبدیلیوں کے دوران دو اصناف کو ملا کر ایک نئی صنف کی بنیاد رکھی جیسے قصیدہ نما نظم' قصیدہ نما مثنوی' یا پھر نثری نظم وغیرہ لیکن حضرت سیدؔ کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے مثنوی' قصیدہ اور نظم کے انداز کو ایک شعری رویے میں پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ نہ صرف ''معراج نامہ'' کی تخلیق انجام دے

رہے ہیں بلکہ تین شعری ہیئتوں کے خوب صورت سنگم کے ذریعہ ایسا کامیاب تجربہ انجام دیے ہیں جس سے ہر قسم کی شعری ہیئت ان کے سوچ کا محور بن جاتی ہے۔ اس طرح طویل نظم ''معراج نامہ'' بیک وقت قصیدہ اور مثنوی کی روایتوں کو ساتھ لے کر حضرت علامہ کچھوچھوی کی شعری تخلیق تجربے کی ایک ایسی دلیل بن جاتی ہے جس کے بانی اور روایت گزار حضرت سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی ہی قرار پائے ہیں۔

''معراج نامہ'' کو حضرت سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی نے ''طرح مصرعہ'' دئے جانے کی بنیاد پر لکھا ہے۔ اس لحاظ سے اس شاعری کی امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اردو میں کسی شاعر نے بھی طرحی مصرعہ کو بنیاد بنا کر قصیدہ نہیں لکھا اس کے علاوہ اردو قصیدے کی تاریخ میں صرف غیر مردف قصیدوں کی روایت موجود ہے۔ جب کہ حضرت سیدؔ کچھوچھوی کے قصیدۂ معراج کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قافیہ ردیف دونوں ساتھ ساتھ شعری ہیئت کا حصہ بن کر مسلسل پانچ سو(۵۰۰) اشعار کی تعداد تک واقعاتِ معراج کا محاکمہ کرتے ہیں جس کے بعد تشبیبِ سوم کے توسط سے تمہید عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی منظوم انداز میں تحریر کی گئی ہے جو اکیس (۲۱) اشعار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آخر میں حضرت کا ''سلام'' کا تحفہ بھی معراج نامے میں داخل ہے جو چار چار مصرعوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ہر مصرعہ کے اختتام پر ''یا نبی سلام علیک''۔۔۔ الخ کی تکرار سے دلی جذبات کی نمائندگی پر ہوئی ہے۔

اردو کی مذہبی شاعری میں انگریزی آلات اور ایجادات کی دنیا سے روشناس کروانے کے لئے نہ صرف معنوی حیثیت سے کیفیت کی نمائندگی کی ہے بلکہ انگریزی میں ایجاد کردہ آلات کو انگریزی تلفظ کے ساتھ بیان کر کے جس فطری حقیقت کو نمایاں کیا گیا ہے' اس سے تفہیم میں بڑی آسان ہوجاتی ہے۔

پہلی مرتبہ حضور کی پرواز اور آپ کی پہنچ کے علاوہ آپ کی آواز کی نمائندگی کے لئے جن آلات کے سہارے سے تفہیم کا حق ادا کیا گیا ہے اس میں تشبیہ کی حسن کاری پوری طرح نمایاں ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ سیدؔ کچھوچھوی نے حضور کی سواری براق کو آسمان کی طرف جاتا ہوا ظاہر کرنے کے لئے لفٹ (LIFT) کی جو موزوں ترین تشبیہ استعمال کی ہے' اس کی مثال پوری اردو شاعری میں مشکل ہے' یعنی معراج نامہ نہ صرف شاعری اور واقعہ معراج کا ایک اہم اثاثہ ہے بلکہ اس کے توسط سے نادر اور نئی تشبیہات کو شاعری میں استعمال کر کے حسن کاری کی ایک نئی دنیا آباد کرنے کا

ثبوت بھی ملتا ہے۔ بلا شبہ اردو کے کسی شاعر کے شعری مجموعہ میں اس قسم کی نادر تشبیہات کا شمار ممکن نہیں ہے جب کہ حضرت علامہ نے یہ کام انجام دے کر تشبیہات و استعارات کی دنیا کو وسعت سے ہمکنار کیا ہے اس پہلو پر بھی ناقدین کی خاص توجہ کی ضرورت ہے۔''۔

اردو ادب میں سب سے بہترین قصیدہ سمجھے جانے والے محسنؔ کاکوروی کے'' مدیحِ خیر المرسلین' اور سید کچھوچھوی کے معراج نامہ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر بیدارؔ مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

> ''قصیدے کی ہیئت میں مدحتِ رسول اور معراج کی کیفیات کو بیان کرنے کا سہرا اردو کے دو مشہور شعراء کو حاصل ہے ورنہ بیشتر شعراء نے امیر و امراء اور صاحبِ وقار شخصیتوں کے قصیدے لکھ کر شہرت حاصل کی ۔قصیدہ کی تاریخ میں محسنؔ کوروی کے قصیدہ'' مدیحِ خیر المرسلین'' سے معراج نامے کو اس لئے مختلف قرار دیا جائے گا کہ محسنؔ کاکوروی نے مدحتِ رسول کے لئے قصیدہ کی تشبیب کو اپنے وطن عزیز اور شرک پرستی کے مرکز کو بنیادی حیثیت دے کر کاشی کو علامت کے طور پر بیان کیا ہے اور قصیدہ میں مدح کا رخ بعض اوقات ہندوستانی غیر اسلامی روایات اور سنسکرت کی لوک کتھاؤں اور جاتک کتھاؤں کے اندازہ میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کے مقابل حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی نے معراج نامے کے توسط سے نہ کسی کفرستان کی تشبیب باندھی ہے اور نہ ہی غیر فطری عناصر کے ذریعہ دین و اسلام کی حیثیت کو مجہول ہونے دیا ہے بلکہ تمام تر اسلامی مزاج اور فطری اسلوب کے ساتھ معراج نامہ میں شعری حسن کاری کے ساتھ ساتھ شاعرانہ پرکاری کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ یہ انداز نہ تو علامہ اشرفی کے عہد سے پہلے کے اردو شاعروں میں دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی بعد کے دور کے اردو اور فارسی کے شاعروں میں معراج کی حقیقی کیفیاتی

فضاء کو اس ماحول میں شعری حیثیت کا پیکر بنایا ہے جسے حضرت علامہ کچھوچھوی کی دینی شاعری کا وسیلہ قرار دیا جائے گا۔ ان کا یہ انداز اس قدر جداگانہ اور اردو اور فارسی کے مستند شاعروں کے مقابلے میں اس قدر نشاط آفریں اور عقائد کی زندگی میں ہلچل پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے کہ اس کی نظیر پوری اردو شاعری میں دکھائی نہیں دیتی۔محسنؔ کاکوروی نے مدحتِ رسول کو بنیاد بنا کر قصیدۂ

''مدیح خیرالمرسلین'' لکھا جب کہ حضرت محدثِ اعظم نے شخصیت کو مدح کا وسیلہ بنانے کے بجائے واقعہ اور اس کے بیان کی چاشنی کو شعری اظہار دے کر قصیدہ کی مدح کے رنگ میں ایک نئی کیفیاتی فضاء پیدا کی ہے جس کے بانی خود سیدؔ کچھوچھوی علیہ الرحمہ ہیں۔ اس اعتبار سے محسنؔ کاکوروی کے قصیدہ کے مقابلہ میں حضرت کچھوچھوی قدس سرہ کا قصیدہ حد درجہ جامع اور دل نشیں انداز کی نمائندگی کرتا ہے جس کے رتبہ کو کوئی دوسرا شاعر و ادیب نہ پہنچا ہے اور نہ پہنچ سکتا ہے۔

عام طور پر قصیدہ کی زبان بلند آہنگ اور اس کا طرز' قافیہ پر اختتام کی نمائندگی کرتا ہے۔ حضرت محسنؔ کاکوروی نے اپنے قصیدہ کو لامیہ قصیدہ کے طور پر تحریر کیا ہے جس میں کوئی ردیف نہیں بلکہ صرف قافیہ کے اساس پر مدح کرنے کی روایت کی بنیاد رکھی ہے۔ اس خصوص میں پھر بھی آسان ہے لیکن سب سے مشکل مرحلہ یہی ہوتا ہے کہ قافیہ اور ردیف کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے قصیدہ گوئی کا حق ادا کیا جائے۔ یہ بڑی خوش آئیند بات ہے کہ ایک غزل کی طرح قافیہ' ردیف کی پابندی کرتے ہوئے حضرت سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی نے قصیدہ کی صنف کو قافیہ' ردیف کے ساتھ مربوط کر دیا ہے اور ایسا طرز و انداز اختیار کیا ہے جس میں قافیہ اور ردیف کی پابندی کا بطور خاص لحاظ رکھا جائے۔ ایسا انداز اردو ادب کے بہت کم شاعروں کے مقدر کی دلیل بنتا ہے۔ جو حضرت سیدؔ کچھوچھوی کی شاعری کا محور ہے جس کا دل نشین انداز ''معراج نامہ'' کے توسط سے ناقدین کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔''

(''محدث کچھوچھوی کے منظوم معراج نامہ کی امتیازی خصوصیات'' از۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عبدالمجید بیدار صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد)

----☆--☆--☆----

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

آزاد نظم میں نعتیہ اقدار

عربوں کے تصورِ شعر گوئی میں اظہار کی خوبصورتی ہی کو اولیت حاصل تھی ۔یہی وجہ ہے کہ ہر ایسی بات جو لطیف پیرائے اور حسین تشبیہات کے سہارے کہی جاتی ، اسے وہ شعر ہی سمجھتے تھے۔ قرآنِ کریم کا اسلوبیاتی جمال بھی انہیں اسی لیے شاعری لگتا تھا کہ اس میں فصاحت ،بلاغت ، صداقت اور بیان کی نفاست و نظافت کا معجزاتی آہنگ تھا۔ چنانچہ وہ اس کو کلام الٰہی نہ ماننے کے باوجود اپنے شعری معیارات کی روشنی میں دیکھتے اور اسے شاعری کہتے نہ تھکتے تھے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے مقدمہء شعر و شاعری میں عربوں کے شعری معیار کے حوالے سے بتایا ہے کہ وہ ہر اس شخص کو شاعر جانتے تھے جو معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا۔(مقدمہ ص ۳۶)

شاعری میں شعری اوزان اور قوافی کی پابندی کا رجحان عام ہوتا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے سے ایک کیڑے کے بارے میں یہ سن کر کہ وہ ''حیرہ کی دو چادروں میں لپٹا ہوا لگتا تھا'' ''**کانہٗ ملتف فی بردی حیرہ**'' .... بے ساختہ یہ نہ کہہ اٹھتے ''**شعر و رب الکعبہ**''...... ''واللہ یہ تو شعر ہے''۔ہوا یہ تھا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو کسی کیڑے نے کاٹ لیا جس کا نام وہ نہیں جانتے تھے۔چنانچہ اس کیڑے کا نقشہ انہوں نے اس طرح کھینچا کہ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ حیرہ کی دو چادروں میں لپٹا ہوا ہو۔حیرہ کی چادریں نقش و نگار اور خوبصورتی میں بہت مشہور تھیں۔(عبدالحلیم ندوی،عربی ادب کی تاریخ، ص ۱۲۲)

حالی نے محقق طوسی کی کتاب اساس الاقتباس کے حوالے سے بتایا ہے کہ'' عبری اور سریانی اور قدیم فارسی شعر کے لیے وزن حقیقی ضروری نہ تھا سب سے پہلے وزن کا التزام عرب نے کیا ہے'' (ص ۳۷)

اردو شاعری نے چوں کہ فارسی کی ڈگر اپنائی تھی اس لیے ایک طویل عرصے تک یہ بھی ردیف وقوافی کی قید میں رہی ۔گو اس میں بھی وسیع خیال اور طویل بات کہنے کے لیے مثنوی، مسدس، مخمس، ترجیع بند وغیرہ کی ہیئتیں راہ پا چکی تھیں لیکن پھر بھی اظہار کے لیے ہر صنفِ سخن میں قوافی کا استعمال

شعری ہیئت میں خیال کی ادھوری شکل ہی پیش کرسکتا تھا۔ اس بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ اوزان و بحور اور قافیہ ردیف کی پابندی کے ساتھ شاعری کر کے کوئی حقیقی شاعر اپنے پیش کردہ شعری مرقع سے بدرجہءاتم، مطمئن نہیں ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب نے کہا تھا:

بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

اردو زبان میں نعتیہ شاعری چوں کہ ابتداء سے آج تک ترنم سے پیش کی جانے والی شاعری رہی ہے۔ اس لیے اس کے لیے ردیف و قافیے کی تکرار اور بحر و وزن کا التزام لازمی قرار پایا۔ شعراء نے چوں کہ مثنوی اور طویل نظموں کی ابتداء بھی حمد و نعت سے کی اور اپنے دواوین کو بھی حمد و نعت ہی سے شروع کرنے کی روش اپنائی اس لیے اس شاعری کے لیے ہیئتی تجربات کرنے کی راہ اپنانے میں خاصی مدت لگی۔

آزاد نظم کے ارتقا کے حوالے سے ڈاکٹر حنیف کیفی نے اپنے تحقیقی مقالے میں بتایا ہے کہ چند ناقدین شررؔ کے ڈرامے کو اس کی چند ظاہری خصوصیات کی بنا پر آزاد نظم قرار دیتے ہیں۔ لیکن خود حنیف کیفی اسے نظم معرا کہتے ہیں۔ انہوں نے تصدق حسین خالدؔ کو آزاد نظم لکھنے والا پہلا شاعر قرار دیا ہے جس نے ۱۹۲۶ء میں باقاعدہ طور پر اس روش کو اپنایا۔ بعد میں آزاد نظم کی ہیئت میں شعر گوئی کو اپنا شعار بنانے والے سنجیدہ شعراء میں ن، م، راشد اور میراجی کا نام آتا ہے (اردو میں نظمِ معرّا اور آزاد نظم......ڈاکٹر حنیف کیفی۔ص ۲۷)

بحر و قافیہ کی قید سے آزاد رہ کر شاعر کے لیے خیال کی رو کو لفظوں میں سمونا قدرے آسان ہے۔ اس لیے نظم آزاد لکھنے والے شعراء کے لئے فکری وسعتوں کو فنی گرفت میں لینے کی سہولت پیدا ہوئی۔ اس تخلیقی تجربے نے نعت میں تازہ کاری کو راہ دی اور آزاد نظم کے ذریعے عصری حسیت نعتیہ شاعری میں بھی جھلکنے لگی۔ نعتیہ شاعری کو ادبی صنف سخن بنانے میں آزاد شاعری لکھنے والوں کا بڑا حصہ (Contribution) ہے۔

نعتیہ شاعری میں نظمِ آزاد کو پہلے پہل کس نے اپنایا؟ اس سوال کا جواب تو باقاعدہ تحقیق کے بعد ہی دیا جاسکتا ہے۔ لیکن میں اپنی معلومات کی حد تک اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آزاد نظم میں نعتیہ اقدار سمونے کا قابلِ قدر نمونہ ''قمر ہاشمی'' نے اپنی طویل نظم ''مُرسَلِ آخر صلی اللہ علیہ وسلم'' میں پیش کیا تھا۔ اس طویل نظم کے کئی بند تھے۔ شاعر نے کچھ بند پابند شاعری کی ہیئت میں لکھے تھے اور کچھ نظمِ آزاد

کی صورت میں رقم کیے تھے۔۔ یہ کتاب ۱۹۸۲ء میں منصۂ شہود پر آئی تھی۔ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیکھا ہے ہم نے
حب انساں کا سبق
ورنہ درد و داغ محرومی میں
کب تھا سوز دل
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے جہاں میں یہ خلش کب عام تھی؟
اہل دنیا نے بہت زخموں کو
پہنچائی ہے ٹھیس
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکلیف کو سوچا تو
سارے زخم ٹھنڈے پڑ گئے
اہلِ طائف نے بہت پھینکے ہیں پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر
اہل زر مکے کے، لاگو ہو گئے تھے جان کے
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ضبط وتحمل کی نہیں ملتی مثال
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق نے فولاد کو پگھلا دیا''

(مرسل آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم............ص ۴۷)

نظم کی ان چند لائنوں میں شاعر نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ پاک کی تبلیغی سرگرمیوں میں صعوبتیں جھیلنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کی فتح کا نقشہ پیش کیا ہے۔پابند شاعری میں خیال کی رو کو اس خوبصورتی سے گرفت میں لینا ممکن نہ تھا جس خوبصورتی سے نظمِ آزاد کی ھیئت میں خیال واحساس کی ضو ریزی کے امکانات روشن ہوئے۔

ڈاکٹر توصیف تبسم نے آزاد نظم کے پیکر میں نعتیہ اقدار اس طرح سمیٹی ہیں کہ فن کی خوبصورت عمارت کے دریچے سے مفاہیم کا جہانِ بیکراں نظر آنے لگتا ہے:

یہاں سے چلو گے
تو رستے میں اک خشک صحرا پڑے گا
تو پھر کیا کرو گے؟
کھجوروں کے اس جھنڈ سے

اس طرف، وہ بہت دور روشن منارہ
منارے کے پہلو میں وہ سبز گنبد
ابھی تک نظر آ رہا ہے!
وہ ہر لحظہ تبدیل ہوتا ہوا اخضری رنگ
نورِ سماوات کا مستقر ہے!
فضا میں فرشتوں کی پرواز کی سرسراہٹ
عجب نغمۂ سرمدی ہے!
کہ جیسے یہاں
وقت بھی سانس روکے ہوئے چل رہا ہو!
یہ تصویر دل میں سجالو!
ان انوار سے اپنے سینے کو بھر لو!
یہاں سے چلو گے
تو رستے میں اک دشتِ ظلمت پڑے گا
تو پھر کیا کرو گے!
(مُراجعت)

یہاں نظمِ آزاد کے صوتی نظام میں فکری آفاق کی وسعتوں کا ادراک ہوتا ہے۔ پابند شاعری میں یہ وسعت پیدا کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا۔ کیوں کہ وہاں قافیے اور ردیف کا التزام فکری رو اور شعور کی پرواز میں مانع ہوتا ہے۔

عارف عبدالمتین نے بھی فکری سطح کی بلندیوں کو چھونے کی کوشش کی ہے اور آزاد نظم کے صوتی نظام اور چھوٹے بڑے مصرعوں کی فنی جمالیات سے قصرِ شاعری تعمیر کر کے نعتیہ اقدار اجاگر کی ہیں:

وہ نور جس کو ازل سے انساں کی آنکھ ترسی
وہ نور جس کا وجود محسوس ہو رہا تھا
مگر جو نظروں کی زد سے باہر کہیں نہاں تھا
تری بصیرت کے صاف منشور سے جو گزرا
تو سات رنگوں میں ڈھل کر ابھرا

دھنک کی صورت
نگاہ کے راستے سے انساں کے دل میں اترا

(نور، منشور اور دھنک)

عارف عبدالمتین نے منشور کو حضورِ اکرم ﷺ کی بصیرت سے تعبیر کیا ہے۔ نورِ وحدت جب نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ اقدس کے منشور سے گزر کر مخلوق تک پہنچا تب اللہ کی وحدت اس کی مخلوقات کی کثرت میں لونی عکس دکھانے لگی۔ نظم کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں شاعر نے ازلی حقیقت کی تفہیم کی زمانی وسعت کو حضورِ اکرم ﷺ کے نورِ بصیرت یعنی نورِ رسالت سے ہم رشتہ کر کے دیکھا ہے۔ شاعری میں سائنسی اصطلاح ''منشور'' کا استعمال بھی ندرت لیے ہوئے ہے۔ منشور کو انگریزی میں PRISM کہتے ہیں۔

سعید وارثی نے ہجرت کے سفر کی تلمیحاتی شان اجاگر کرتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ کے ان الفاظ کی روشنی میں تخلیقی سفر طے کیا ہے جن الفاظ کو خالقِ کائنات نے بھی قرآنِ کریم میں حوالے کے طور پر محفوظ فرما دیا ہے۔ یعنی ''لاتحزن، ان اللہ معنا''۔

ایک نظم کی چند لائنیں دیکھیے:

''وہ ذات جس کے بھروسے پہ
گھر سے نکلے تھے
وہ ذات اپنی محافظ
وہ ذات اپنی کفیل
اٹھو کہ۔۔۔رحمتِ عالم کے ساتھ ہو تم بھی
ڈرو نہیں کہ خدا ساتھ ساتھ ہے اپنے'
'[لا تحزن ان اللہ معنا]

نظم کی ان لائنوں میں نبیء کریم علیہ الصلوٰہ والتسلیم اور صدیقِ کائنات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکالمے کا نور نظم کی لفظیات میں جھلکنے لگتا ہے اور شاعر کی تخلیقی رسائی کی داد دینی پڑتی ہے۔

اسی طرح سعید وارثی نے اپنی نظم ''دشتِ طلب'' میں حضورِ اکرم کی عنایات کے دائرے کی وسعتوں کا ادراک سمونے کی کوشش کی ہے:

جب کبھی دشت طلب، شہر اسیران وفا
ابر کرم کو ترسا
اے سمندر کے سکوں تو بھی گواہی دے گا
کہ سرابوں کو نہ تھا
تشنہ لبی کا شکوہ
اس طرح ان کی عنایات کا
بادل برسا

(دشت طلب۔۔۔سعید وارثی)

ظہورِ نورِ نبوت کی بہجت، حیرت، رفعت، اور اس ظہور کے مقصد کو تخلیقی زبان میں لکھنے کی کوشش میں سرشار صدیقی نے فنی اقدار کی جانکاری کا ثبوت بھی دیا ہے اور اپنی تخلیقی دانش کو ابدی سچائیوں سے بھی ہم کنار کر دیا ہے۔ایک نظم کی چند لائنیں ملاحظہ ہوں:

یہ دن وہ ہے
جس کے واسطے خالقِ جہاں نے
عدم کو نقشِ وجود بخشا
نفی کو اثبات
اور اخفا کو اعتبارِ نمود بخشا
جو غیب تھا
اس کو حکم ''کُن'' سے شہود بخشا
رکوع کو سرفرازیاں دیں
قیام کو استقامتِ عبدیت عطا کی
جبیں کو ذوقِ سجود بخشا

یہ دن وہ دن ہے
کہ وجہِ تخلیقِ دو جہاں کا ورود ہوگا
ورود ہوگا
تو ہم سے بے راہ و کم عقیدہ
گناہگاروں کا ذکر ہی کیا

کہ انبیاء ان کے خیر مقدم کو
صف بہ صف ایستادہ ہوں گے
اور ان کے لب پر درود ہوگا
سلام ہوگا
سلام اُن پر
درود اُن پر
فدا ہمارا وجود اُن پر

[ظہور]

شرف الدین شامی نے مدینہ منورہ میں حاضری اور حضوری کی کیفیات کو نظمِ آزاد کے پیکر میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

عبودیت نشاں سجدہ گہہِ ختم الرسل ہے
دوسرے کلمے کی نصف آخر
شہادت کی امیں محرابِ نوریں
زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہے
کہ تاحینِ ابد سارا زمانہ آپ کا ہے
نسلِ فردا، مقتدی ہے

(مصلائے نبوی پر)

مسجدِ نبوی میں شرف الدین شامی کی موجودگی نے اس کے احساسات میں جو تموج پیدا کیا اس کا والہانہ اظہار ایک تخلیقی معجزے کی صورت آزاد نظم کی لائنوں میں ڈھل گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مرے اطراف
عہدِ رحمت للعالمینی کی
ہوائیں چل رہیں ہیں
اور مناظر جاگتے ہیں
یوں کہ جیسے
عہدِ ماضی کے سب اکنافِ مدینہ

حال کی مسجد میں شامل ہو گئے ہیں
آنے والے اور سب کے سب زمانے
اسی دھارے میں آ کر مل گئے ہیں
(باز آمد)

رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکت ہی کائنات میں وہ واحد ذات ہے جس کی وساطت سے خالقِ کائنات کی رضا کے باب کھلتے ہیں۔ مسلمانوں پر زوال و ادبار کی نحوست کا عکس پڑتے ہوئے دیکھ کر ظہور نظر نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دعا کی درخواست کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

تمام دنیاؤں، سب جہانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر
کوئی پیارا نہیں خدا کا
کوئی دلارا نہیں خدا کا
خدا سے کہیے!
خدارا، اپنے بزرگ و برتر خدا سے کہیے!
کہ ہم کو پھر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین پہ
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ پا پہ چلنے کی استقامت دے
استقامت دے
حوصلہ دے!

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمتوں، رفعتوں اور رسالت کی آفاقی حقیقت کو تسلیم کرنے کے ثمرات گنانے کی کوشش میں بھی شبنم رومانی نے تخلیقی جوہر کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذرا ملاحظہ ہوں ان کی نظم ''حرفِ نسبت'' کی چند لائنیں:

جس نے دیکھا انہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
اس کی بینائی کے واہمے دُھل گئے
اس پہ آفاق کے سب ورق کھل گئے
جس نے مانا انہیں
اپنے پیکر میں شہرِ یقیں ہو گیا

جس نے جانا انہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
جہل بھی اس کا علم آفریں ہو گیا
جس نے چاہا انہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
اس کی چاہت بقا کی نگارش بنی
اس پہ دن رات پھولوں کی بارش ہوئی
جس نے چاہا انہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
اس کو چاہا گیا
اس کی دہلیز تک ہر دو راہا گیا

جاذب قریشی نے بھی آزاد نظم کے میڈیم کو فکری اپج اور تخلیقی نہج دیتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح کی ہے۔ ان کی نظم ''لوحِ جاں'' کی چند سطریں دیکھیے:

تیری آواز تھی روشنی کا سفر
برف پگھلی تو سورج چمکنے لگا
تو نے صحرا کی اڑتی ہوئی ریت کے درمیاں
بے چراغاں زمینوں پہ گھر رکھ دیئے
تیری چھاؤں میں زخمی بدن آ گئے
تو نے دریا میں پیاسے شجر رکھ دیئے

محمود شام نے اپنی نظم میں قرآنی حکم ''قل العفو'' کی معنوی تنویر کو عملی اظہار کی تمنا کے ساتھ رقم کر کے نعتیہ اقدار کی پاسداری کی ہے:

اس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام
قل العفو کہ سب بانٹ کے کھائیں، پہنیں
کوئی بھوکا نہ رہے، کوئی برہنہ بھی نہ ہو
ایک بھائی سے کسی بھائی کو ایذا نہ ملے
آج میں سوچتا ہوں، دیکھتا ہوں، سوچتا ہوں
روشنی پاس ہے، ہم پھر بھی ہیں ظلمت کے اسیر
ہم ترا نام تو لیتے ہیں مگر تیرا پیام

کس قدر پیار سے طاقوں پہ سجا رکھا ہے
(شام۔۔۔محمود شام)

محمد فیروز شاہ نے اپنی نظم ''شفیق آقا ﷺ'' میں نظمِ آزاد کی ھیئت کو نعتیہ اقدار سے جگمگا دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

شفیق آقا ﷺ
سبھی زمانوں پہ تیری رحمت کے ابر پارے
تمام رستوں پہ تیرے لفظوں کے دیپ روشن
ہر ایک لمحے میں تیرے لہجے کا لوچ نکھرے
تجھی سے نسبت بشارتوں کا جواز ٹھہری
تری شبوں کا گداز نور سحر کا ضامن
تری دعائیں
اداس لمحوں میں زرد بچوں کو گود لیتی شفیق مائیں

اطہر نفیس نے بھی اپنی تخلیقی دانش کو فن پارے کی تشکیل میں بھرپور طریقے سے استعمال کیا ہے اور نعتیہ آہنگ میں انفرادیت کا جوہر شامل کرنے کی کوشش کی ہے:

سلام اس ﷺ پر
جو بے نواؤں کا آسرا ہے
جو سارے عالم کی ابتداء ہے
جو سب زمانوں کی انتہا ہے
سلام اس ﷺ پر
جو راہِ حق پہ بلا رہا ہے کہ رہنما ہے
جو سب کو حق سے ملا رہا ہے، کہ حق نما ہے
(کہ حق نما ہے۔۔۔اطہر نفیس)

وضاحت نسیم نے اپنی آزاد نظم کو نعتیہ خوشبو میں بساتے ہوئے ''اذنِ سفر'' کی بہجت سے لفظوں کو اجالا ہے۔ وہ کہتی ہیں:

آسماں رنگوں کی آمیزش بدلتا جا رہا ہے

پہاڑوں کے بہت سے سلسلوں کے بیچ لمبے راستے پر
ہوا نے ہلکی بارش سے وہ چھڑکاؤ کیا ہے
کہ ذہن و دل ابھی سے
خوش بوئے خاکِ مدینہ سے معطر ہو گئے ہیں
ابھی تو وہ مقام آیا نہیں ہے
جہاں میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر
سراپا نور و نکہت بن کے صدیوں سے ابھی تک
دو عالم پر کرم فرما رہا ہے
(اذن سفر۔۔۔وضاحت نسیم)

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے کائنات کی ماورائی حقیقتوں کے مفاہیم کے ادراک کو صدقہء وجودِ باجود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو جانا ہے اور اس احساسِ سپاس کو نظمانے کی کوشش کی ہے:

عرش
کرسی اور مکاں
کائنات
کتنے بڑے ہیں۔۔۔یہ لفظ
اور ان کے مفاہیم۔۔۔ہمارا اور کائنات کا مقدر ہیں
ہم ہیں۔۔۔یہ لفظ بھی ایسے ہی ہیں
مگر ان کا کوئی مفہوم نہ ہوتا
یہ لفظ۔۔۔موتی سے خالی صدف کی طرح ہوتے
اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔۔۔ان سب لفظوں کا مفہوم ہیں
سلام ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔۔۔درود ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
(ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی)

فکرِ انسانی کے سمندر میں انقلابات کی امواج کا سرچشمہ کیا ہے؟ اس حقیقت کو جان کر اس کے اظہار کے لیے احمد صغیر صدیقی نے نبیء اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ والا صفات کی مدح

کرنے کی کوشش کی ہے:

اور یہ خوش بو بکھرتی رہی قریہ قریہ
اور افق تا بہ افق
سیلِ صدا، موج صبا بن کے بڑھا
اس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہونٹوں سے کھلے لفظ
شعاؤں جیسے
جاگتی، بولتی، زندہ سوچیں
ذہنِ انساں میں اٹھانے لگیں طوفان نئے
ایسے طوفان
کہ بت سارے زمیں بوس ہوئے

(احمد صغیر صدیقی)

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دنیا میں آمد سے قبل انسان کی فکری بے چینی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد سے انسانیت کو حاصل ہونے والے ثمرات کے تخلیقی انداز میں اشارے کرنے کی مؤثر کوشش نے تحسین فراقی کی نظم ''میلادِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کی ان لائنوں کو لائقِ حوالہ بنا دیا ہے:

برہنہ پا قافلے بیابان بے اماں میں
بھٹک رہے تھے، بھٹک رہے تھے
نہ کوئی چشمہ، نہ کوئی سایہ نہ کوئی زادِ سفر رہا تھا
بشر کہ مر مر کے جی رہا تھا، بشر کہ جی جی کے مر رہا تھا
عجیب آشوبِ حشر آثار چھا رہا تھا
بشر خود اپنی ہی آگ میں کسمسا رہا تھا۔۔۔کہ دفعتاً پو پھٹی
کہ شہر بطحا کی ریگ در ریگ سرزمیں پر
بسیط فاراں کی چوٹیوں سے
طلوع مہر منیر وانور کے ساتھ ہی تابشوں کے سیل ہزار پہلو نکل کے لپکے

(میلادِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔۔۔تحسین فراقی)

امجد اسلام امجد نے اپنے اداس لمحوں کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کی خوشبو سے بہجت آشنا

کرنے اور سفر کو آسان بنانے کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ احساس کی شدت اور اظہار کی طرفگی نے ان کی آزاد نظم کو دیارِ فن اور ملکِ تقدیس میں دور تک روشنی پھیلانے کا میڈیم بنا دیا ہے۔

اداسی کے سفر میں جب ہوا رک رک کے چلتی ہے
سوادِ ہجر میں ہر آرزو چپ چاپ جلتی ہے
کسی نادیدہ غم کا کہر میں لپٹا ہوا سایہ
زمیں تا آسماں پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے
گزرتا وقت بھی ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا ہے
تو ایسے میں تری خوشبو
محمد مصطفی ﷺ صل علیٰ کے نام کی خوشبو
دلِ وحشت زدہ کے ہاتھ پر یوں ہاتھ رکھتی ہے
تھکن کا کوہِ غم ہٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے
سفر کا راستہ کٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے

(امجد اسلام امجد)

صبیح رحمانی نے نعتیہ اقدار کو اس طرح اپنایا ہے کہ ان کا فن ہر زاویئے سے ''نبی نبی ﷺ'' کی پکار کی علامت بن گیا ہے۔ آزاد نظم میں بھی ان کا تخلیقی رویہؔ حرفِ مدحت کی رفعتوں کا امین بن کر ابھرتا ہے:

مجھے یقیں ہے
وہ سن رہے ہیں نگاہ خاموش کی صدائیں
دکھوں سے بوجھل مری نوائیں
وہ جانتے ہیں
ہزار ہا درد و غم کی شمعیں
فسردہ سینوں میں جل رہی ہیں
یہ جسم و جاں جو شکست خوردہ ہیں سوچتے ہیں
غم و الم کی جو دھوپ پھیلی ہوئی ہے اس میں
کرم کے بادل سروں پہ اک سائباں بنانے

دیارِ رحمت سے کیوں نہیں اٹھ سکے ابھی تک
مجھے یقیں ہے
اور اس یقیں پر حیاتِ امروز کا تسلسل
حیاتِ فردا کی خوش دلی کی طرف رواں ہے
یہ دورِ جبر و ستم بہت جلد دور ہوگا
محبتوں کا ظہور ہوگا
کرم نبی کا ضرور ہوگا

(دھوپ میں تلاش سائباں۔۔۔صبیح رحمانی)

نعتیہ شاعری میں موضوعات کی بے کرانی کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔اس بے نہایت کائنات میں توصیفِ پیمبر علیہ السلام کے ساتھ ساتھ اپنے احساسات کی کہکشاں کا لامتناہی سلسلہ اس طور ظاہر ہوتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔حمیرا راحت نے آزاد نظم میں اپنے نسائی جذبات کی رنگ آمیزی سے نعتیہ اقدار کا موضوعاتی دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کی ہے۔ذرا ان کی دو نظموں کی چند لائنیں ملاحظہ کیجیے:

سڑک کی کیا حقیقت ہے
اک ایسا بے حس و بے جان سا رستا
کہ جو ہر اک مسافر کو ملا دیتا ہے منزل سے
بس اس سے بڑھ کے اس کی کیا فضیلت ہے
مگر میں جب مدینہ میں تھی
تو سونے سے پہلے رات کو
ہوٹل کی کھڑکی سے
سڑک کو دیکھتی اور سوچتی
یہ ایک سیدھی سی سڑک جو میرے آقا کے
درِ اقدس پہ جا کر ختم ہوتی ہے
یہ ہے خوش بخت کتنی!!!
پھر اک دن یوں ہوا..............................

میں سوچ میں گم تھی
مجھے ایسا لگا جیسے
کہ اس سیدھی سڑک کی دونوں آنکھیں
آنسوؤں سے بھر گئی ہوں
وہ اک نادیدہ غم سے ہو کے بوجھل کہہ رہے ہو
میں کہاں خوش بخت ہوں بی بی
مرے دکھ کو کسی نے آج تک جانا نہیں
میں کیسے سمجھاؤں
کہ میں تم سب کو لے جاتی ہوں ان کے در پہ
لیکن خود کبھی در تک نہیں پہنچی (سڑک)

اس نظم میں شاعرہ نے سڑک کی علامت کو نسائی المیے سے جوڑ کر دیکھا ہے کیوں کہ حضورِ اکرم ﷺ کے روضہء پاک تک مستورات کی بھی رسائی نہیں ہوتی ہے۔ وہ نہیں جانتیں کہ مواجہہ شریف کیسا ہے؟.................. پھر اس دکھ کا اظہار ایک ایسی نظم میں ہوا جس میں ایک تلخ حقیقت کا اظہار شاعرہ کے احتجاج میں ڈھل گیا۔ ملاحظہ ہو ایک نظم جس کا عنوان ہے ''خطا'':

''تمہاری حد یہیں تک ہے''
وہ عورت جس کے چہرے پر
فقط آنکھیں ہی دکھتی تھیں
بہت مغرور لہجے میں مجھے سمجھا رہی تھی
کیوں؟
نہ جانے کیسے
وہ اک لفظ جس کا وِرد
ساری زندگی کرتی رہی تھی
اس گھڑی بھی لب پہ میرے آ گیا
اور اس نے مجھ کو گھور کر دیکھا
کہا کچھ بھی نہیں لیکن

نگاہیں صاف کہتی تھیں کہ
کیا لاعلم ہو اس بات سے
تم ایک عورت ہو؟
کوئی عورت درِ آقا کو
اندر جا کے چھو سکتی
نہ اس کو دیکھ سکتی ہے
دعا کے حرف اشکوں میں بھگو کر
روضہء اقدس پہ رکھ دے
یہ نہیں ممکن
میں شُرطی ہوں مگر............ میں بھی نہیں
اس کی سنہری سبز آنکھوں میں
عجب غم ناک سی گہری نمی جاگی
جو میرے سامنے دیوار تھی
میں اس پہ اپنے ہاتھ رکھ کر رو پڑی
آقا............مرے آقا
میں عورت ہوں
مگر اس میں مری اپنی خطا کیا ہے؟

آزاد نظم کا جوہر ان ثانوی تخلیقات میں بھی کھلتا ہے جو دیگر زبانوں کی شاہکار نعتوں کے منظوم تراجم کی صورت میں سامنے آئی ہیں۔ ڈاکٹر شان الحق حقی نے گوئٹے کی نعتیہ نظم ''نغمہء محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا ترجمہ بھی نظمِ آزاد کی ھیئت میں کیا تھا۔ اس کی چند لائنیں دیکھیے:

وہ پاکیزہ چشمہ جو اوجِ فلک سے چٹانوں پہ اترا
سحابوں سے اوپر بلند آسمانوں پہ جولاں ملائک
کی چشمِ نگہداشت کے سائے سائے
چٹانوں کی آغوش میں عہدِ برنائی تک جوئے جولاں بنا
چٹانوں سے نیچے اترتے اترتے
وہ کتنے ہی صد رنگ، انگھڑ خزف ریزے

آغوشِ شفقت میں اپنی سمیٹے
بہت سے سسکتے ہوئے، رینگتے، سست، کم مایہ سوتوں کو
چونکاتا، للکارتا، ساتھ لیتا ہوا، خوش خراماں چلا
بے نمو وادیاں لہلہانے لگیں
پھول ہی پھول چاروں طرف کھل اٹھے
جس طرف اس کا رخ پھر گیا
اس کے فیضِ قدم سے بہار آ گئی

(''SONG OF MUHAMMAD.....نغمۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' گوئٹے۔مترجم شان الحق حقی)

آزاد نظم کے یہ چند ایک نعتیہ مرقعے پیش کرنے سے ظاہر ہوا کہ جو فنی رچاؤ اور پر کشش بیانیہ ان نظموں کی صورت میں تخلیق ہوا ہے .... وہ مضامین کے تنوع اور احساس کی اس قدر شدت کے ساتھ پابند شاعری میں تخلیق کرنا دشوار تھا۔

ڈی ایچ لارنس نے کہا تھا ''آزاد نظم، پابند نظم سے زیادہ مشکل ہے اور مکمل طور پر آزاد بھی نہیں ہے'' ....(اردو میں نظمِ معرا اور آزاد نظم، ص ۱۴)

میں نے اس مقالے میں آزاد نظم کے جتنے نمونے پیش کیے ہیں ان کی قراءت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نظمِ آزاد مکمل آزاد نہیں ہے بلکہ اس میں بعض صورتوں میں نظم کے دو ایک مصرعے کسی ایک بحر کا وزن رکھتے ہیں بعض جگہ ہر مصرع یا نظم کی ہر لائن، الگ الگ وزن رکھتی ہے جس کو کسی نہ کسی بحر کے متعینہ پیمانے سے ناپا جا سکتا ہے۔

نعتیہ شاعری میں نظمِ آزاد کی ہیئت کا استعمال، تخلیقی سطح پر اس مقدس صنف کے ادبی منظر نامے کی وسعتوں کی علامت ہے۔اسی لیے میں نے آج کے لیے اس موضوع کو اپنی گفتگو کا محور بنانے کی کوشش کی ہے۔

موضوع بہت اہم اور بڑا وسیع ہے۔لیکن وقت کی تنگ دامنی اس پر سیر حاصل گفتگو کرنے اور موضوع کے مختلف ابعاد کی طرف دھیان دینے میں مانع ہے۔اس لیے انہی معروضات پر اکتفا کرتا ہوں۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری

مولانا احمد رضاؔ بریلوی اور مولانا حسنؔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا ایک موازناتی مطالعہ

موازنہ لغت میں ہم وزن ہونا۔دو چیزوں کا باہم وزن ہونا کہتے ہیں۔اردو ادب میں موازنہ کی روش بہت قدیم ہے۔جب ہم طالب علم تھے تو اکثر ہم سے امتحانات میں ایک ہی موضوع پر دو ہم عصر شاعروں یا نثر نگاروں کی تخلیقات کے حوالے سے انکی شاعرانہ خوبیوں یا نثر نگاری کی عظمت کے بارے میں ماوازناتی سوالات کیئے جاتے تھے۔اور ہم انکے اشعار یا نثری تخلیقات کا باہم موازنہ کر کے انکے مقام و مرتبے کا تعین کرتے تھے کہ اس شاعر یا نثر نگار کی فکری پرواز اس مقام پر گامزن ہے۔

موازنے کا مقصد و مطلب صرف اور صرف اس صنف میں شاعر یا نثر نگار کے مقام و مرتبے کا تعین یا اسکی فکری سر بلندی کی زیبایش کو نمایاں کرنا ہے نہ کہ کسی کی تضحیک یا کسی کو کم تر ثابت کرنا۔موازنے میں ایک دوسرے کی شخصیت لازم و ملزوم کا درجہ رکھتی ہے۔جسکو ایک مثال کے ذریے بایں طور سمجھا جا سکتا ہے۔جیسے علم العداد میں ایک اور دو کا ہندسہ۔علم ا لعداد میں ایک اور دو الگ الگ ہندسے ہیں۔اور دونوں کا الگ الگ مقام و مرتبہ اور معنیٰ و مفہوم ہے۔مگر بغیر ایک دوسرے کے۔ایک دوسرے کو سمجھنا ممکن نہیں۔ماہرین علم الہندسہ نے ایک کے (عدد) کی تعریف۔احدالاثنین سے کی ہے۔یعنی دو کا ادھا ایک۔جسکا واضح مفہوم یہی ہوگا کہ بغیر دو کے ایک کا تصور ممکن ہی نہیں۔اور دو کا وجود بغیر ایک کے ممکن نہیں۔گویا کہ ایک اور دو کی عدد ایک دوسرے کے لیئے لازم و ملزوم ہیں۔

ٹھیک اسی طرح اگر کسی شاعر یا نثر نگار کو کسی مقام پر اپنے ہم فکر شاعر یا نثر نگار پر اوّلیت کا شرف حاصل ہے تو اسکے ثانی کی وجہ سے ہے نہ کہ بذات خود۔گویا کہ ثانی کی منظوم یا منثور تخلیقات نے اسکو اوّلیت کا شرف عطا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

جب ہم اس موضوع پر اردو ادب میں تحریر کی جانے والی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں علامہ شبلی نعمانی کی ''موازنۂ انیس و دبیر'' انفرادی طور پر نظر آتی ہے۔ علامہ نے اس کتاب میں بڑی چابکدستی سے میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کا موازنہ کیا ہے۔ مگر کہیں کہیں انکے ہاتھ سے اعتدال کا دامن چھوٹتا ہوا نظر آتا ہے وہ موازنے کے بجائے کڑی تنقید کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ کہیں تو وہ مرزا دبیرؔ پر کڑی چوٹ کرتے ہوئے انکی شاعری میں جملہ خوبیوں کے منکر نظر آتے ہیں۔ اور کہیں انکی شاعری میں بلاغت کے معترف ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل اقتباسات کے مطالعے سے قارین کرام پر خود ہی واضح ہو جائے گا۔ اس طرح انکی اس کتاب میں تناقض کی غمازی بھی نظر آتی ہے۔ ممکن ہے یہ میری کورفہمی یا کم فہمی ہو مگر جس چیز کو میں نے محسوس کیا ہے اسکا اظہار میں نے کر دیا ہے۔ اس سے اگر چہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے مگر اپنی اصلاح بھی مطمح نظر ہے۔ چنانچہ وہ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے موازنے میں فرماتے ہیں۔

''شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز، کسی واقعہ، کسی حالت، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جائے کہ اسکی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولوں کی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی سختی، گرمی کی تپش، جاڑوں کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دل آویزی، یا رنج وغم، غیظ وغضب، جوش ومحبت، افسوس وحسرت، عیش وطرب، استعجاب و حیرت، ان چیزوں کا اس کا بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلوں پر چھا جائے اسی کا نام شاعری ہے۔

اس کے ساتھ الفاظ میں فصاحت، سلاست، روانی، بندش میں چستی، اور چستی کے ساتھ بے تکلفی، دل آویزی اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات، اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف میں سے کون سی چیز مرزا دبیرؔ میں پائی جاتی ہے۔ فصاحت انکے کلام کو چھو نہیں گئی۔ بندش میں تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دور از کار، بلاغت نام کو نہیں، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہیں، خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہے، لیکن اکثر جگہ اسکو سنبھال نہیں سکتے۔ ۲

اور دوسری جگہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ وہ چیز ہے جہاں انیسؔ اور دبیرؔ کی شاعری کی سرحدیں' بالکل الگ ہو جاتی ہیں' مرزا صاحب کی شاعری میں بالفرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہیں' لیکن بلاغت کا شایبۂ نہیں پایا جاتا۔ ۳

اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

''میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے موازنے میں عموماً میر انیسؔ کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن ہر کلّیے میں مستثنا ہوتا ہے۔ بعض موقعوں پر مرزاؔ دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کا دا کیا ہے' میر انیسؔ سے نہیں ہوسکا۔ ۴

درحقیقت فصاحت و بلاغت زبان وادب کی وہ خوبی ہے جو سبکو عطا نہیں ہوتی اور شاعری کی روح فصاحت و بلاغت ہی ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے سب کے منھ میں زبان دی ہے۔ مگر زبان و بیان کا سلیقہ سبکو میسر نہیں۔ زبان و بیان میں وہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے سامنے والے انسان کو اپنی گرفت میں ہی لے لیتی ہے جیسے کہ لوگ ''زلفوں کے اسیر ہو جایا کرتے ہیں'' یا ''اک نگہ میں غلام ہو جایا کرتے ہیں''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اسی لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا وزیر بنانے کے لیے دعاء کی تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبان پر قدرت عطا فرمائی تھی۔ جس سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اپنی قوم تک اچھی طرح پہنچا سکیں۔ شاید مرزا غالبؔ دہلوی نے اسی لیے اپنے بارے میں فرمایا تھا ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا حسن رضا خاں بریلوی دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ اور دونوں اپنے وقت کے مستند نعت گو شعرأ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس بات پر دانشوروں کا اتفاق ہے کہ انکی نعت گوئی مکمل طور پر میزان شریعت پر پوری اترتی ہے۔ یہ دونوں ایسے نعت گو شاعر ہیں جنکا کلام افراط تفریط سے پاک ومنزہ ہے۔ اور مابعد کے نعت گو شعرا کے لیے مشعل راہ بھی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء بزشنبہ بوقت ظہر شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء کو شہر بریلی ہی میں محلہ سودا گران میں وصال فرمایا۔ اور مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی ۲۲ رربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۹ را کتوبر ۱۸۵۹ء کو محلہ سودا گران' بریلی میں پیدا ہوئے۔ اور ۳ رشوال المکرم ۱۳۲۶ھ کو محلہ سودا

گراں میں ہی وصال فرمایا۔

مولانا احمد رضا خاں رضؔا بریلوی کی شاعری کا جب ہم غایر نظر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں انکی شاعری میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی ایسی جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں کہ عقل انگشت بدنداں نظر آتی ہے انکی شاعری مدحت مصطفیٰ ﷺ کا ایسا خزینہ ہے کہ جسکی نظیر اردو شاعری پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مولانا احمد رضؔا خاں بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سچے عاشق رسول ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے ایسے جید عالم دین تھے کہ جنکی راسخ العلمی کا اعتراف اپنے اور غیر سبھی نے کیا ہے۔ وہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی محبت میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے کسی شاعر کو اپنا استاذ بنانا گوارہ ہی نہیں کیا۔ انہوں نے صاف صاف اعلان فرمایا کہ نعت گوئی میں اگر کسی کو اپنا استاذ بنایا جا سکتا ہے تو صرف اور صرف حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ اس لیے کہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ ذات ہے کہ جنکی پزیرائی کے لیے اللہ کے محبوب ﷺ نے مسجد نبوی شریف میں ممبر بچھایا انکی ستایش فرمائی۔ اور دعاؤں سے نوازا کہ حسّان جب تک تم میری مدح وثنا میں لگے رہو گے حضرت جبریل تمھاری مدد میں لگے رہیں گے۔ اسی لیے تو فخر و انبساط کے ساتھ فرماتے ہیں۔

رہبر میں رہ نعت کی گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسّاں بس ہے

نیز فرماتے ہیں کہ نعت گوئی کے آداب قران سے بہتر کون بتا سکتا ہے جو جان شریعت ہے۔ قران نعت گوئی کی رہنمایی کے لیئے کافی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قران سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

استاز زمن مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی کی شخصیت وشاعری مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ فصیح الملک بلبل ہند مرزا داغؔ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے شعر گوئی کا آغاز اولاً غزل گوئی سے کیا۔ لیکن جب انکے بڑے بھائی مولانا احمد رضؔا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے انکو اسکی بے ثباتی کا احساس دلایا تو وہ غزل گوئی سے منحرف ہو کر نعت گوئی کی جانب متوجہ ہو گئے اور پھر آخری دم تک مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی مدح وثنا میں رطب الّسان رہے۔

غزل گوئی کے زمانے میں انہوں نے فصیح الملک ،بلبل ہند مرزا داغؔ دہلوی کے سامنے

زانوے ادب تہ کیا۔ اس لیئے کہ انکو اردو ادب کی محبوب ترین صنف ،صنف غزل سے گہرا شغف تھا ۔وہ اس صنف میں مقام پیدا کرنا چاہتے تھے۔جس گھڑی انہوں نے آغاز سخن فرمایا اس وقت مرزا داغ دہلوی کی سخن وری کا شہرہ عام تھا۔داغ کی شعریت کی دھوم پورے ہندوستان میں مچی ہوئی تھی۔اسی لیئے انہوں نے بھی وقت کی نزاکتوں کا احساس کرتے ہوئے مرزا داغ دہلوی سے ہی مشورۂ سخن لینا بہتر سمجھا۔اور پھر داغ کی شاگردی اختیار کر لی۔کچھ ہی دنوں کی مشق ومزاولت کے بعد استاذ داغ دہلوی کے رنگ میں غزلیں کہنا شروع کر دیں۔اور سخن وری میں اس مقام پر پہونچ گئے کہ انکی بعض غزلوں کو دیکھ کر یا پڑھکر داغ دہلوی کی غزل کا گمان ہونے لگا۔مگر افسوس اس بات کا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ کے مرتبین نے انکے ساتھ انصاف نہیں کیا۔اور ادب میں انکو جو مقام و مرتبہ ملنا چاہیئے تھا وہ آج تک نہیں مل سکا۔ایسا لوگوں نے کیوں کیا؟ بات سمجھنے میں نہیں آتی۔اور اگر کچھ مصنفین نے انکا ذکر کیا بھی ہے تو بس ایسے ہی سرسری طور پر جس کا کوئی خاص مطلب نہیں نکلتا۔ جیسا کہ مشہور مورّخ مولانا عبد السلام ندوی صاحب نے اپنی کتاب ''شعرالہند'' جلد اوّل' دارالمصنفین شبلی اکیڈمی' آعظم گڈھ ایڈیشن ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۳۲۳ تا ۳۲۶ پر ذکر کیا ہے۔مگر یہ ذکر صرف انکے منتخب اشعار پر ہی مبنی ہے۔اور اپنی اسی تصنیف ''شعرالہند'' جلد اول کے صفحہ ۳۲۰ پر ہی بڑے سلیقے سے معذرت کے ساتھ رقم طراز ہیں۔

> ''نواب مراز داغ کے تلامذہ میں بیخود بدایونی، بیخود دہلوی ،نسیم بھرت پوری،نوح ناروی،سائل دہلوی حسن بریلوی،آغا شاعر دہلوی، بیباک، حیرت،آزاد،رسا،فیروزشاہ رامپوری،احسن مارہ روی اور اشک وغیرہ مشور ہیں۔اور ان میں بعض صاحب دیوان بھی ہیں۔لیکن افسوس ہے کہ میر وجلال کے تلامذ کی طرح ہم کوان کے دواین دستیاب نہ ہو سکے کہ ہم ان کے متعلق تفصیلی رائے قایم کر سکتے۔ اگر مولانا محترم نے قدر کوشش کر کے انکے احوال آثار پر بھی روشنی ڈال دی ہوتی تو جب کوئی ادب کا طالب علم انکی اس کتاب کا مطالعہ کرتا تو اسے انکے حولے سے مایوسی کا احساس نہیں ہوتا۔منتخب اشعار کے مطالعے سے انکی شعر گوئی کا پہلو تو نمایاں ہو جاتا ہے۔مگر انکی شخصیت کا پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔ میں مولانا محترم کے اس تذکرے کو آدھا ادھورا تذکرہ ہی مانتا ہوں اس لیئے کہ جس سے کسی کی ذات کا کوئی پہلو مخفی رہ جائے تو وہ اس کا جامع اور مکمل

تذکرہ نہیں ہوسکتا۔ جامع اور مکمل تذکرہ تو جبھی ہوسکتا ہے کہ جب اسکی شخصیت کے جمیع پہلوؤں کا احاطہ ہوجائے کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہ جاے۔اور جب کا کوئی مطالعہ کرنے والا یا ادب کا طالب علم اسکا مطالعہ کرے تو وہ مکمل طور پر مطمین ہو جائے۔کسی طرح کی اسے تشنگی نہ محسوس ہو۔

حضرت مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی اور استاذ زمن علامہ حسنؔ رضا خان بریلوی علیہم الرحمہ کی نعتیہ شاعر کے موازنے پر کئی بار میں نے قلم اٹھانے کی کوشش کی مگر ہر بار میں یہ سوچ کر قلم رکھ دیتا تھا کہ کہیں میری یہ فکر اور میرا یہ عمل انکے معتقدین کی نظر میں کسی جرم کا ارتکاب نہ قرار پا جائے اور میں ان کے عتاب کی نذر نہ ہوجاؤں۔جبکہ میری نیت صاف ہے میں خود انکے معتقدین میں سے ہوں۔لیکن میں بار بار اس خوف وحراس کی منزل سے گزرا ہوں۔میرا ماننا ہے کہ ادب کی ہر اس صنف یا علم وفن کے ہراس زاوئے سے انکی شخصیتوں کو پرکھا جانا چاہئے جس پہلو یا گوشے پر بھی انکی شخصیت کو اہل علم کے سامنے بہ سے بہتر انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

جس وقت میں مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ’’ نعتیہ شاعری‘‘ پر کانپور یونیورسٹی ،کان پور سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ قلم بند کر رہا تھا تو ایک بار دوران گفتگو میرے نگراں محترم پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی نے فرمایا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ پر انکے معتقدین سے زیادہ کسی نے ان پر ظلم نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا وہ کیسے تو انہوں نے فرمایا کہ انکے معتقدین نے ان کی علمی و ادبی شخصیت سے صرف نظر کرکے صرف انکی کرامتوں کی تشہیر کی۔جس سے انکی علمی و ادبی حیثیت دب کر رہ گی۔جبکہ کرامتیں تو علم کا عکس ہیں۔

اس وقت مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا نعتیہ دیوان’’ حدائق بخشش ‘‘حصّہ اوّل دوم طبع شدہ رضا اکیڈمی ،بمبئی ۲۵ رصفرالمظفر ۱۴۱۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۹۷ء اور استاز زمن علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی’’ کلیاتِ حسن‘‘ جس میں انکے نعتیہ مجموء’’ ذوقِ نعت‘‘ کے علاوہ درج ذیل مجموء کلام’’ وسایلِ بخشش‘‘ ’’صمصامِ حسن‘‘’’ قند فارسی‘‘’’ قطعات و اشعارِ حسن‘‘ بھی شامل اشاعت ہیں۔پیش نظر ہے۔کلیات حسنؔ بھی رضا اکیڈمی، ممبئی ہی سے ۲۰۱۲ء میں طبع شدہ ہے۔

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ دیوان’’ حدایق بخشش‘‘ حصہّ اوّل کی شروعات حضور سیّد عالم ﷺ کی درج ذیل نعت پاک سے ہوتی ہے۔جس کے چند اشعار ملاحظہ

ہوں ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں منگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
فیض ہے یا شہ تسنیم نرالہ تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
میں تو مالک ہی کہونگا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا ہی سہی بھاری ہے اشارہ تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سولاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
تیرے ٹکڑ وں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھایں کہاں چھوڑکے صدقہ تیرا
کس کا منھ تکیے کہاں جایئے کس سے کہیے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا
تیری سرکا میں لاتا ہے رضاؔ اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اور علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ مجموعہ ’’ذوق نعت‘‘ کا آغاز دو حمد پاک سے ہوا ہے۔ دونوں حمد پاک کے کچھ منتخب اشعار درج کیئے جا رہے ہیں۔جس کے مطالعے سے آپکو محسوس ہوگا کی انکی حمدوں کا معیار کیا ہے؟ میرے اپنے خیال میں آج تک اردو ادب میں اس

سے بہتر انداز میں کوئی حمد نہیں کہی جاسکی ۔ اگر چہ آج تک لوگ حمد پاک لکھ رہے ہیں اور خوب لکھ رھے ہیں۔ مگر عبد و معبود کے مابین جو رشتۂ عظیم ہے اسکی نازکی اور عظمت پر سبکی نظر نہیں۔ انکے یہاں یہ پیرایہ بے مثل نظر آتا ہے۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے کہ جو لفظ جس جگہ پر ہے وہیں نگینے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ بندش وچستی، خیال کی پاکیزگی، ندرت تخیل وغیرہ اوصاف انتہائی عروج پر نظر آتے ہیں۔ اور اسحمد پاک کی سب سے بڑی خوبی جو ہے وہ یہ کہ عبد و معبود کی سچی تصویر اس میں نمایاں طور ہر دیکھی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو پہلی حمد پاک کے کچھ اشعار ؎

ہے پاک رتبہ فکر سے اس بے نیاز کا
کچھ دخل عقل کا ہے نہ کام امتیاز
شہ رگ سے کیوں وصال ہے آنکھوں سے کیوں حجاب
کیا کام اس جگہ خرد ہرزہ تاز کا
افلاک و ارض سب ترے فرماں پزیر ہیں
حاکم ہے تو جہاں کے نشیب و فراز کا
اس بے کسی میں دل کو مرے ٹیک لگ گی
شہرہ سنا جو رحمت بے کس نواز کا
تو بے حساب بخش کہ ہیں بے حساب جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہ حجاز کا
بندہ پہ تیرے نفس لیں ہو گیا محیط
اللہ کر علاج مری حرص و آز کا
کیوں کر نہ میرے کام بنیں غیب سے حسنؔ
بندہ بھی ہوں تو کیسے بڑے کارساز کا

اور دوسری حمد پاک کے اشعار اس طرح ہیں ؎

فکر اسفل ہے میری مرتبہ اعلیٰ تیرا
وصف کیا خاک لکھے خاک کا پتلا تیرا
طور پر ہی نہیں موقوف اجالا تیرا

کون سے گھر میں نہیں جلوۂ زیبا تیرا
ہر جگہ ذکر ہے اے واحدو یکتا تیرا
کون سی بزم میں روشن نہیں اکّا تیرا
پھر نمایاں جو سر طور ہو جلوہ تیرا
آگ لینے کو چلے عاشق شیدا تیرا
خیرہ کرتا ہے نگاہوں کو اجالا تیرا
کیجیے کون سی وآنکھوں سے نظارہ تیرا
نئےانداز کی خلوت ہے یہ اے پردہ نشیں
آنکھیں مشتاق رہیں دل میں ہو جلوہ تیرہ
سات پردوں میں نظر اور نظر میں عالم
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ معمّا تیرا
وحشی عشق سے کھلتا ہے تو اے پردۂ یار
کچھ نہ کچھ چاک گریباں سے ہے رشتہ تیرا
سچ ہے انسان کو کچھ کھو کے ملا کرتا ہے
آپ کو کھو کے تجھے پائےگا جویا تیرا
ہیں تیرے نام سے آبادی و صحرا آباد
شہرمیں ذکر تیرا ، دشت میں چرچا تیرا
آمد حشر سے اک عید ہے مشتاقوں کی
اسی پردے میں تو ہے جلوۂ زیبا تیرا
طور پر جلوہ دکھا یا ہے تمنائی کو
کون کہتا ہےکہ اپنوں سے ہے پردہ تیرا
کام دیتی ہیں یہاں دیکھئے کس کی آنکھیں
دیکھنے کو تو ہے مشتاق زمانہ تیرا

مے کدہ میں ہے ترانہ تو اذاں مسجد میں
وصف ہوتا ہے نئے رنگ سے ہر جا تیرا
چاک ہو جایں گے دل جیب و گریباں کس کے
دے نہ چھپنے کی جگہ راز کو پردہ تیرا
بے نوا مفلس و محتاج و گدا کون کہ میں
صاحب جود و کرم ، وصف ہے کس کا تیرا
آفریں اہل محبت کے دلوں کو اے دوست
ایک کوزے میں لیے بیٹھے ہیں دریا تیرا
اتنی نسبت بھی مجھے دونوں جہاں میں بس ہے
تو میرا مالک و مولیٰ ہے، میں بندہ تیرا
انگلیاں کانوں میں دے دے کے سنا کرتے ہیں
خلوت دل میں عجب شور ہے برپا تیرا
اب جماتا ہے حسنؔ اسکی گلی میں بستر
خوب رویوں کا جو محبوب ہے پیرا تیرا

یوں تو اردو شاعری کا آغاز ہی حمد و مناجات سے ہوا ہے۔اور تقریباً اردو کے تمامی شعرائے کرام نے اپنی توفیق و بساط کے مطابق اپنی بندگی کا ثبوت اپنے رب کریم جلّ وعلیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا ہے۔مگر علامہ حسنؔ رضا بریلوی کی مندرجہ بالا حمد کا یہ شعر ہے

انگلیاں کانوں میں دے دے کے سنا کرتے ہیں
خلوت دل میں عجب شور ہے برپا تیرا

اپنی نوعیت کا منفرد المثال شعر ہے ۔جو ایک احساس کا پیغام ہے ۔جسکی معنویت کا اندازہ علامہ اقبالؔ کے اس شعر کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے،فرماتے ہیں۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

''یقیناً عشق کے دردمند کا طرز کلام یہی ہے '' کہ جس کے پڑھنے کے بعد طبعیت پر وجد کی

کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بندۂ مومن ایک لمحے کے لیے ربّ کریم جل مجدہ کو اس قدر اپنی رگ جاں سے قریب تر محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس قربت کو اگر وہ الفاظ میں بیان کرنا چاہے تو وہ بیان نہیں کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ الفاظ ایسی تعبیر بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اور احساس دلایا جا سکتا ہے۔

جب ہم موازنے کی نظر سے مولانا احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی کے نعتیہ دیوان ''حدایق بخشش'' اور علامہ حسنؔ رضا بریلوی'' کے نعتیہ دیوان'' ذوق نعت'' پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ وقت کے اتنے بڑے عالم و امام ہوتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اردو زبان وادب میں حمد باری تعالیٰ کے موضوع پر ایک بھی حمد پاک نہیں تحریر فرمائی جبکہ انکے چھوٹے بھائی علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے نعتیہ مجموٗ'' ذوق نعت'' میں دو حمدیں تحریر فرمائی ہیں۔ آج بھی یہ سوال بار بار میرے میرے دل و دماغ کو کریدتا رہتا ہے کہ آخر وہ کون سے عوامل تھے جسکی وجہ سے انہوں نے اردو زبان میں کوئی حمد نہیں تحریر فرمائی۔

علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی دونوں حمد پاک کے بعد ایک نعت پاک اپنے بڑے بھائی مولانا احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی ہی طرز و آہنگ میں تحریر فرمایا ہے جسکا مطلع ہے۔

جن و انساں و ملک کو ہے بھروسا تیرا
سرورا مرجع کل ہے در والا تیرا

اور اس نعت پاک کے کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں۔

واہ اے عطر خدا ساز مہکنا تیرا
خوب رو ملتے ہیں کپڑوں میں پسینہ تیرا
لا مکاں میں نظر آتا ہے اجالا تیرا
دور پہنچایا ترے حسن نے شہرہ تیرا
یہ نہیں ہے کہ فقط ہے یہ مدینہ تیرا
تو ہے مختار، دو عالم پہ ہے قبضہ تیرا
کیا کہے وصف کوئی دشت مدینہ تیرا

پھول کی جا ن نزاکت میں ہے کانٹا تیرا
تیرا سگ جائے کہاں چھوڑ کے ٹکڑا تیرا
پاوں مجروح ہیں منزل ہے کڑی بوجھ بہت
آہ اگر ایسے میں پایا نہ سہارا تیرا
نیک اچھے ہیں کہ اعمال ہیں انکے اچھے
ہم بدوں کے لیے کافی ہے بھروسہ تیرا
خار صحرائے نبی پاؤں سے کیا کام تجھے
آ مری جان میرے دل میں ہے رستہ تیرا
کیوں نہ ہو ناز مجھے اپنے مقدر پہ کہ ہوں
سگ تیر ا ، بندہ تیرا ، مانگنے والا تیرا
سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

جب ہم دونوں حضرات کی مذکورہ نعتوں پر موازنے کی نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دونوں حضرات کی مذکورہ نعتوں میں فصاحت وبلاغت ، مضامین کی سر بلندی، آعلیٰ تخیلات کی ایسی جلوہ باریاں نظر آتی ہیں کہ۔ عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے۔ اور فرق اعتباری کا بھی فرق اٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسلیے کہ الفاظ کی بندش وچستی کو جس چابک دستی کے ساتھ دونوں حضرات نے باندھا ہے نعتیہ ادب میں وہ انہیں کو میسر ہے۔ جسکو میں تمثیلاً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر دونوں حضرات کی ان دونوں نعتوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا جائے اور کسی ماہر فن یا ادب شناس سے یہ کہا جائے کہ دونوں حضرات کی نعتوں کو الگ الگکر دیجیے تو شاید کہ کوی بھی ماہر فن یا سخن شناس دونوں حضرات کی نعتوں کو الگ الگ نہ کر سکے اس لیے کہ دونوں حضرات کے یہاں طرز ادا کی نیرنگی بالکل ایک جیسی ہے۔

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ اور علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت گوئ میں تقریباً ایک ہی روش اختیار کی ہے۔ دونوں کی فکری تب وتاب اور ہمہ ہنگی کا یہ عالم ہے کہ نقش دوئ کے پردے مفقو دنظر آتے ہیں۔ جب ہم دونوں حضرات کے نعتیہ دواین کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح طور پر پاتے ہیں کہ اگر مولانا احمد رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت پاک کے بعد تین

منقبتیں حضور سیّدنا غوث آعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرما ئی ہیں تو علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی نعت پاک کے بعد ایک منقبت حضرت سیّدنا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ کی شان میں تحریر فرمائی ہے۔

اگر مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ اپنی نعت کے مقطع میں تحریر فرماتے ہیں ۔

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اسکو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

تو علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ بھی اپنی نعت کے مقطع میں تحریر فرماتے ہیں ۔

اب حسنؔ منقبت خواجہ اجمیر سنا
طبع پر جوش ہے رکتا نہیں خامہ تیرا

اگر چہ دونوں حضرات نے اور بھی منقبتیں تحریر فرمائی ہیں ۔مگر ایک نعت پاک کے بعد مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا حضور سیّدنا غوث آعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علامہ حسنؔ رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں منقبت کا تحریر فرمانا عموماً دواین اور مجموٗ کلام کی ترتیب وتہذیب کی روش کے خلاف ہے۔ جب ہم دیگر شعرأ کرام کے نعتیہ دواین اور مجموٗ کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اولاً حمد اس کے بعد نعت اور پھر منقبت کا ذکر ملتا ہے۔مگر ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے نعتیہ مجموء کلام کی ترتیب وتہذیب عمومی طور پر مرتب ہونے والے نعتیہ مجموؤں کی روش سے ہٹ کر کی ہے۔اس نئ روش یا جدّت کا کیا مطلب ہے؟ اگر بالفرض یہ کہا جائے کہ ان دونوں حضرات کو اپنے اپنے ممدوحین سے غایت درجہ الفت ومحبت تھی۔تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان حضرات نے نعت کے بعد منقبتیں کیوں تحریر فرمأ یں؟ اس جدّت اور نئ رَوش کا مقصد کیا ہے؟

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس دوسری منقبت کا عنوان رکھا ہے ’’وصل دوم درمنقبت آقائے اکرم حضور غوث آعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ‘‘ اس کا مطلع ہے ۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے ہے قدم آعلیٰ تیرا

اور کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں ۔

سر بھلا کیا کوئ جانے کہ ہے کیسا تیرا

اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے مین لاتا نہیں کتّا تیرا
مصطفیٰ کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مری جاں جلوۂ زیبا دیکھا
جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھرا ہے نظارہ تیرا
تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھکو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغدا د
ھند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا
تیری عزّت کے نثار اے مرے غیرت والے
آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو برَوا تیرا
بد سہی، چور سہی ،مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ، ہے تو کریما تیرا
مجھکو رسوا بھی اگر کوئی کہےگا تو یو ں ہی
کہ وہی نا ،وہ رضاؔ بندہ رسوا تیرا
فخر آقا میں رضاؔ اور بھی اک نظم رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا

اور تیسری منقبت کا عنوان ہے ’’وصل سوم درحسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ تعالیٰ عنہ‘‘ جسکا مطلع ہے۔

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیسا تیرا

اور کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں۔

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف
کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا
اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں کعبہ پہ نثار
شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا
ڈالیاں جھومتی ہیں رقص خوشی جوش پہ ہے
بلبلیں جھولتی ہیں گاتی ہیں سہرا تیرا
مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھا لا تیرا
دل اعدا کو رضاؔ تیز نمک کی دھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

اور چوتھی منقبت کا عنوان ہے ''وصل چہارم در منافحت اعداؑ و استعانت از آقا رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' جس کا مطلع ہے۔

الاماں قہر ہے اے غوث وہ تیکھا تیرا
مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا
اس پہ یہ قہر کہ اب چند مخالف تیرے
چاہتے ہیں کہ گھٹا دیں کہیں پایہ تیرا
عقل ہوتی توخدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں ، اس منظور بڑھانا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جایں گےاعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
نزع میں ، گور میں ، میزان پہ، سر پل پہ کہیں
نہ چھٹے ہاتھ سے دامان معلیٰ تیرا
دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیمات ہے مگر
مطمئین ہوں کہ مرے سر پہ ہے پلّا تیرا
اے رضاؔ چیست غم ار جملہ جہاں دشمن تست
کردہ ام ما من خود قبلۂ حاجاتے را

علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو منقبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرمایا ہے اس کا مطلع ہے ۔

خواجہ ٔ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
مۓ سر جوش در آغوش ہے شیشیہ تیرا
بے خودی چھائے نہ کیوں پی کے پیالہ تیرا
کیا مہک ہے کہ معطر ہے دماغ عالم
تختۂ گلشن فردوس ہے روضہ تیرا
پھر مجھے اپنا در پاک دکھا دے پیارے
آنکھیں پر نور ہوں پھر دیکھ کے جلوہ تیرا
ظلّ حق غوث پہ، ہے غوث کا سایہ تجھ پر
سایہ گستر سر خدّام پہ سایہ تیرا
تجھ کو بغداد سے حاصل ہوئی وہ شان رفیع
دنگ رہ جاتے ہیں سب دیکھ کے رتبہ تیرا
جب سے تونے قدم غوث لیا ہے سر پر
اولیاسر پہ قدم لیتے ہیں شاہا تیرا

محی دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدین
اے حسنؔ کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا

اگر دونوں حضرات کی منقبت نگاری پر ایک نظر ڈالی جائے تو بخوبی واضح ہوگا کہ ان حضرات نے اپنے ممدوحین کی مدح سرائی میں مناقب کے پہلو کو کتنے احتیاط اور سلیقے سے اپنایا ہے کہ کوئی بھی شعر حمد یا نعت کی حدود میں داخل نہیں ہوا ہے۔ درحقیقت یہ حضرات فن کی نذاکتوں اور اسکے اسرار و رموز بخوبی واقف تھے۔ اسی لیے اس منزل سے بڑی چابک دستی کے ساتھ بے جھجھک گزر گئے ہیں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیھم الرحمہ نے حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان میں جو منقبتیں تحریر فرمائی ہیں جہاں یہ منقبت نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں وہیں انہوں نے اس طرح کی منقبتیں تحریر فرما کر اپنے بعد کے شعرائے کرام کو ایک ذہن اور ایک آئیڈیا دیا ہے کہ بذرگان دین کی شان میں منقبتیں لکھتے وقت کن کن پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ اور انکے شایان شان کس طرح کی فکر اور کس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا جانا چاہیئے کہ منقبت اپنے حدود و دایرے سے باہر نکلنے پائے۔

اسکے بعد دونوں حضرات نے نعتیں تحریر فرمائی ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو نعت تحریر فرمائی ہے اسکا مطلع ہے

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جد اعلیٰ ہے ہمارا

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس نعت پاک میں لفظ ''خاک'' سے ایسے ایسے معنی و مفاہیم پیدا کے کہ ہیں جن کو پڑھ کر طبعیت وجد میں آجاتی ہے۔ اس سے انکی جودت طبع کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر پر معنیٰ الفاظ کے استعمال پر قدرت رکھتے تھے۔

۲۰۰۰ء میں میں نے ایک مضمون ''حضرت رضاؔ بریلوی کی مضمون آفرینی'' کے عنوان سے قلم بند کیا تھا۔ جو اس وقت سہ ماہی افکار رضا۔ شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۰ء ڈممکر روڈ، ممبئی میں اشاعت پزیر ہوا تھا۔ جس میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ نعت پاک اور شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کی فارسی نعت پاک ۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است

خویش را خود عبدہ فرمودہ است

کا موازنہ پیش کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ دونوں حضرات شہنشاہ سخن تھے ۔ اور دونوں حضرات نے آقا و مولیٰ ﷺ کی شان اقدس میں نعتیں تحریر فرمائی ہیں ۔اور خوب خوب اپنے فکر وفن کا مظاہرہ کیا ہے ۔جیسے مندرجہ بالا مطالع کہ دونوں حضرات نے ایک ایک لفظ ''لفظ خاک'' اور'' لفظ عبدہٗ'' سے خوب خوب مضمون آفرینی کی ہے۔

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ نعت پاک کے چند منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا
جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا
خم ہو گئی پشت فلک اس طعن زمیں سے
سن ہم ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمار
اے مدّعیؤ خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفون شہ بطحا ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزار شہ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا

اور علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو نعت تحریر فرمائی ہے اس کا مطلع ہے ۔

آسماں گر تیرے تلوؤں کا نظارہ کرتا
روز اک چاند تصدق میں اتارا کرتا

اس نعت پاک کے کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں ۔

چھپ گیا چاند نہ آئی ترے دیدار کی تاب
اور اگر سامنے رہتا بھی تو سجدہ کرتا
یہ وہی ہیں کہ گرو آپ اور ان پر مچلو
الٹی باتوں پہ کہو کون نہ سیدھا کرتا
آہ کیا خوب تھا گر حاضر در ہوتا میں
ان کے سایہ کے تلے چین سے سویا کرتا

□□

شوق و آداب بہم گرم کشا کش رہتے
عشق گم کردہ تواں عقل سے الجھا کرتا
بے خودانہ کبھی سجدہ میں سوئے در گرتا
جانب قبلہ کبھی چونک کے پلٹا کرتا
کبھی کہتا کہ یہ کیا بزم ہے کیسی ہے بہار
کبھی انداز تجاہل سے میں توبہ کرتا
کبھی کہتا کہ یہ کیا جوش جنوں ہے ظالم
کبھی پھر گر کے تڑپنے کی تمنّا کرتا
ستھری ستھری وہ فضا دیکھ میں غرق گناہ
اپنی آنکھوں میں خود اس بزم میں کھٹکا کرتا
کبھی رحمت کے تصور میں ہنسی آجاتی
پاس آداب کبھی ہو نٹوں کو بخیہ کرتا
دل اگر رنج معاصی سے بگڑنے لگتا
عفو کا ذکر سنا کر میں سنبھالا کرتا
یہ مزے خوبی قسمت سے جو پائے ہوتے
سخت دیو انہ تھا گر خلد کی پرو ا کرتا

موت اس دن کا جو پھر نام وطن کا لیتا
خاک اس سر پہ جو اس در سے کنارہ کرتا
اے حسنؔ قصد مدینہ نہیں رونا ہے یہی
اور میں آپ سے کس بات کا شکوہ کرتا

اس پوری نعت پاک میں علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے حسن جہاں تاب، انکی کرم فرمایاں، انکے رخ زیبا، انکے در دولت پر حاضری کے وقت کی کیفیت، در اقدس ﷺ کی خاک روبی، مدینہ طیبہ کی معطر و صاف ستھری فضا، اور در اقدس ﷺ سے واپسی کے دن کو موت اور اس در سے کنارہ کشی کے لمحے کو تباہی و بربادی سے ذکر فرمایا ہے۔اور آخر میں اپنے آپکو خود ہی مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے حسنؔ جب آپکا خود ہی مدینہ طیبہ کا قصد نہیں ہے تو پھر کس بات کا گلہ و شکوہ؟ آقا و مولیٰ ﷺ کی نوزشیں تو ہمیشہ دامن پھیلائے ہوئے ہیں۔

یہاں پر میں موازناتی حیثیت سے ایک نعت پاک آپکے بڑے بھائی حسّان الہند حضرت امام احمد رضاؔ خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس میں کچھ اسی ناز و ادا سے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی نوزشوں اور کرم فرمایوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ملاحظہ ہو ؎

کس کے جلوہ کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہرطرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیاہے
مانگ من مانتی منھ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں'' نا'' ہے نہ منگتا سے یہ کہنا ''کیاہے''
پند کڑوی لگے ناصح سے ترش ہوائے نفس
زہر عصیاں میں ستمگر تجھے میٹھا کیا ہے
ہم ہیں انکے، وہ ہیں تیرے، تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھکر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے
انکی امّت میں بنایاانھیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعویٰ کیا ہے

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے مجھ سے حساب
بخش بے پوچھے لجائے ٗ کو لجانا کیا ہے
زاہد انکا میں گنہگار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے
بے بسی ہو جو مجھے پرسش اعمال کے وقت
دوستو کیا کہوں اس وقت تمنّا کیا ہے
کاش فریاد مری سن کے یہ فرمایں حضور
ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغا کیا ہے
کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے
کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے
کس سے کہتا ہے کہ للہ خبر لیجیٔ مری
کیوں ہے بیتاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے
اسکی بے چینی سے ہےخا طر اقدس پہ ملال
بے کسی کیسی ہے پوچھو کوئی گزرا کیا ہے
یوں ملاک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تونے کیا ،کیا کیاہے
سامنا قہر کا ہے دفتر اعمال ہیں پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل
بندہ بیکس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
اب کوئی دم میں گرفتار بلا ہوتا ہوں
آپ آجایں ےتو کیا خوف ہے کھٹکا کیا ہے
سن کے یہ عرض مری بحر کرم جوش میں آئے

یوں ملآیک کو ہو، ارشاد ٹھرنا کیا ہے
کس کو تم مورد آفات کیا چاہتے ہو
ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے
انکی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے
لو وہ آیا مرا حامی مرا غم خوار آیا
آگئ جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے
پھر مجھے دامن اقدس میں چھپا لیں سرور
اور فرمایں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے
بندہ آزادشدہ ہے یہ ہمارے در کا

☆

کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمھارا کیا ہے
چھوڑ کر مجھکو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم
حکم والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے
یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے
صدقے اس رحم کے اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے
اے رضاؔ جان عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبل باغ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

اس نعت پاک کا آغاز مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جلوہ تابانیوں سے کیا گیا ہے۔ایسی روشنی یا ایسا اجالا جو تحیّر آمیز بھی ہے اور دل ونگاہ کو سرور عطا فرمانے والا بھی، وہ روشنی یا نور کوئ اور نہیں بلکہ آقا ومولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور پاک ہے۔آگے وہ فرماتے ہیں کہ ان کی

ذات پاک سے جو بھی مانگنا ہے مانگ لو، یہ وہ ذات پاک ہے کہ تم جو بھی مانگو گے یہ تمھیں اس قدر عطا فرمایں گے کہ تمھارا من ہی اس سے بھر جاے گا۔اور یہاں کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے یہاں تو مانگنے والے کو منھ مانگی مرادیں ملتی ہیں۔یہی وہ دربار ہے جہاں نہ تو ''نا'' ہے اور نہ ہی ''کیا ہے''
اور چوتھے شعر میں ربّ کریم کی بارگاہ میں وہ کس طرح اپنے آپکو پیش کرتے ہیں کہ طبعیت رشک کرنے لگتی ہے جبکہ وہ اسی بات کو براہ راست بھی عرض کر سکتے تھے کہ میرے کریم میں تیرا بندہ ہوں۔مگر براہ راست نہ فرما کر آقا و مولیٰ ﷺ کی نسبت سے فرماتے ہیں۔

ہم ہیں انکے وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھکر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے

☆

درحقیقت اس نعت پاک میں امام احمد رضاؔ خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ایک انوکھے انداز میں آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح سرائی کی ہے۔اس نعت پاک میں انہوں نے ایک امتی کی حیثیت سے میدان محشر میں پیش آنے والے حالات کی جو منظر کشی کی ہے۔اس سے ہر امتی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کل میدان محشر میں اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو۔میں یہاں یہ عرض کرنا چاہونگا کہ دونوں حضرات نے نعت گوئی میں جو تفنن پیدا کیا ہے اور آقا و مولیٰ ﷺ کی نعت پاک کی رقم طرازی میں جو زور کمال دکھایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔اگر علامہ حسنؔ رضا بریلوی کے یہاں جوش و وارفتگی سرمستی ہے۔تو حضرت امام احمد رضاؔ فاضل بریلوی علیھم الرحمہ کے یہاں زبان کا چٹخارہ پن اور ندرت بیان بھی کم نہیں ہے۔

محشر زیدی (فیصل آباد)

لفظ ''نعت'' تاریخ کے آئینے میں

نعت عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی کسی شے کا وصف بیان کرنے کے ہیں ۔عربی میں تو اس کے معنی پر مختلف انداز میں بحث کی گئی ہے کم سے کم الفاظ میں اس کا مفہوم بیان کرنا ہوتو یہی کہیں گے کہ جب آپ کسی شے کا وصف بیان کریں اور اس میں مبالغے سے کام لیں تو نعت کا لفظ استعمال ہوگا۔نعت کی جمع نعوت اور نعت کہنے والے کو ناعت کہا جاتا ہے۔

یہاں ایک بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ نعت کو وصف کہا جاتا ہے لیکن شارحین نے بیان کیا ہے کہ نعت صرف اور صرف اوصاف عالیہ کے لیے استعمال ہوگا جبکہ وصف حسن وقبح دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ احادیث میں لفظ نعت صفاتِ محمودہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ فارسی میں ستائش یا مطلق وصف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اردو تک آتے آتے لفظ نعت حتمی طور پر ثنائے رسول ﷺ کے لیے مختص ہوگیا۔ ایک فاضل ڈاکٹر یونس حسنی نے کہا ہے کہ

> ''ایسی تمام نظمیں جن میں رسول خدا ﷺ سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جائے یا ان کے محاسن بیان کیے جائیں نعت کی تعریف میں آتے ہیں۔'' ڈاکٹر فرمان فتح پوری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مدح کے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا۔
>
> پروفیسر ممتاز حسن نے
>
> ''خیر البشر ﷺ کے حضور میں'' نعت کی یوں تعریف کی ہے کہ وہ کہتے ہیں

’’میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں نبی کریم ﷺ ذات گرامی سے قریب لائے۔جس میں حضور ﷺ کی مدح ہو یا حضور ﷺ سے خطاب کیا جائے۔صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکر نبوت ﷺ کے صوری محاسن لگاؤ کے بجائے مقصد نبوت سے دل بستگی پائی جائے جس میں جناب رسالت مآب ﷺ سے ایک قلبی تعلق موجود ہو۔‘‘

لفظ نعت کے اولین استعمال کے بارے مے ڈاکٹر ریاض مجید اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں کہ سید رفیع الدین کا خیال ہے کہ یہ لفظ سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کے وصف کے لیے حضرت علی کرم اللہ جہہ نے استعمال کیا۔ان کے اس خیال کا مرجع شمائل ترمذی کی وہ طویل حدیث ہے جو ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔

من راہ بدیھتہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔و لا بعدۃ مثلہ۔

ترجمہ:’’آپ ﷺ پر جس کی یکا یک نظر پڑتی ہے، ہیبت کھاتا ہے جو آپ سے تعلق بڑھاتا ہے، محبت کرتا ہے۔آپ کا وصف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے نہ آپ ﷺ جیسا دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ جیسا دیکھا۔‘‘

ہمارے فاضل ادیب ڈاکٹر ریاض مجید نے نعت نگاری کا بنیادی سبب بیان کر کے تشنگان نعت کو اپنے مدلل بیان سے سیراب کر دیا ہے۔وہ فرماتے ہیں جب عربی میں نعت نگاری شروع ہوئی تو کفار مکہ کی ہجو اور گستاخئ رسول ﷺ کے جواب میں مسلمان شاعروں نے مؤثر طور پر حضور اکرم ﷺ کا دفاع کیا۔نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔دربار رسالت ﷺ کے شاعروں نے کفار کے زد میں حضور اکرم ﷺ کے حسب نسب اور کردار وصفات کی توصیف وستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھیں انہیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

عملی زندگی میں جوں جوں آپ کے مختلف اوصاف سے واقف ہوتے گئے، اس کا اثر نعت نے بھی قبول کیا۔مولانا حالی کا یہ شعر:

وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
مرادیں غڑیبوں کی پرلانے والا

مولانا ماہر القادری کا یہ شعر:

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں

آپ ﷺ نے اہل طائف کو بد دعا نہیں دی بلکہ ان کے لیے دعا کی ۔ اس لیے کہ آپ ﷺ تو سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے ۔ یہ عالی ظرفی بھی قلم نے اجاگر کی ۔

اردو ادب میں نعت ایک صنف سخن کے طور پر تسلیم کر لی گئی ہے ۔ اردو میں نعت پر تحقیق سلسلہ باقاعدہ دوسری اصناف سخن کی طرح جاری ہے ۔ چند نام بالکل سامنے کے اور جانے پہچانے ہیں ۔ ہمارے عہد میں ماشاء اللہ ڈاکٹر ریاض مجید نے نعت پر بڑا کام کیا ہے بلکہ ان کا قلم تحقیق کے نئے زاویے سامنے لا رہا ہے ۔ کراچی میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے نعت پر اظہار رائے کیا ہے۔ پنجاب میں قبلہ راجا رشید محمود نے اپنی مختصر کتاب میں گویا کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ نعت کے معاملے میں جو شیفتگی ،خلوص اوراحترام راجا صاحب کی ذات گرامی میں دیکھنے میں آیا بمشکل کہیں ملے گا۔ یہ ہیں وہ لوگ جو بجا طور پر عالم باعمل کا منصب سنبھالے ہوئے ہیں ۔ ذکر راجا صاحب ہے تو یاد آیا انہوں نے اپنی کتاب ''پاکستان میں نعت'' کے آخری صفحات میں بڑے متاسفانہ انداز میں گلہ کیا ہے کہ نعت پر تنقید کا عمل کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جسے دیکھو نعت کہہ رہا ہے۔خواہ اس کے آداب کی الف بے بھی نہ جانتا ہو۔میں قارئین سے توقع کروں گا کہ راجا صاحب کی کتاب کا آخری حصہ خصوصاً مطالعہ کریں۔

اس ضمن میں چند فاضلین ادب کی رائے نعت گوئی کے بارے میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں کہ ''حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے ۔جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے جیسا کہ مولانا عرفی نے کہا ہے کہ

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کے رہ ہر دم تیغ است قدم را

اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں:

''نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم اور وسیع موضوع ہے۔اس کی عظمت و وسعت ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتی ہے۔شاعر کے پائے فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ گیا نعت کے بجائے حمد و منقبت کی سر

حدوں میں۔''

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی طویل تعریف نعت کا خلاصہ ان کا یہ جملہ ہے کہ

''نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔''

تاریخ اعتبار سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنی ''اردو کی نعتیہ شاعری'' میں لکھتے ہیں۔

''نعت گوئی کی روایت نئی نہیں بہت پرانی ہے۔اتنی پرانی جتنی خود اردو شاعری ۔قدیم دکنی شعراء سے لے کر آج تک شاید ہی اردو کا کوئی شاعر ہو جس نے نعتیہ اشعار نہ کہے ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی نے خاص شغف اور لگاؤ کے ساتھ کہے ہوں اور کسی نے محض تکلف سے کام لیا ہو۔

نعت کے صاحب دیوان شاعر بھی گزرے ہیں امیر مینائی سے تو میں بھی واقف ہوں۔ لاہور سے ماہنامہ شام وسحر کے خصوصی نعت نمبر بھی نکالے گئے ۔اب بھی کچھ جرائد لاہور اور کراچی سے نعت کے شمارے شائع کرتے ہیں۔

ہمارے عہد نعت گوئی کا ہی عہد ہے۔ بیسویں صدی کے آخری پچیس سالوں میں جس قدر نعتیں کہی گئی ہیں میرے اندازے کے مطابق ان کی تعداد اردو کی چار سو سالہ تاریخ میں سب سے زیادہ ہے۔ گویا شاعروں کا ایک جم غفیر ہے جو قلم پکڑے نعت نگاری میں مصروف ہے۔اس جم غفیر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن تقسیم کو زیر بحث لانے سے بیشتر چند قابل غور دیگر نکات کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ادب کا مطالعہ کرنے والے حضرات اور شعراء اس بات سے یقیناً باخبر ہوں گے۔اردو میں جس قدر اصناف سخن شعرا کے زیر مشق رہی ہے ان میں سے ہر صنف کی ٹیکنالوجی ہی جدا نہیں ہے بلکہ ہر صنف سخن کا اپنا چہرۂ الفاظ (Vocablary) بھی جدا ہے۔مرثیے کے الفاظ اور ان کا طریق استعمال غزل کے لیے بیکار ہے۔اسی طرح تمام اصناف کو پرکھ لیجئے اور یہ فرق مستقل نوعیت کا ہے لہٰذا نعت کا ذخیرۂ الفاظ یقیناً اپنا ایک الگ تشخص رکھتا ہے اس لیے بھی کہ اس تعلق قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ سے ہے۔ اس میں خطاب کے الفاظ خصوصاً دوسروں سے جدا ہیں۔کسی شاعر کے پاس ذخیرۂ الفاظ ومعلومات کشا بھی ہو لیکن ادب واحترام اور شائستگی کا تقاضہ یہ ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو، تیرا، تجھے، تمہارا، تم کو الفاظ استعمال کرنا نعت کی روح کے خلاف ہوگا۔اب ہم جم غفیر کی تقسیم اسی روشنی میں کرتے ہیں۔

ا۔ پہلا گروہ جس کے افراد کی تعداد زیادہ نہیں ہے وہ ہے جو ہادیٔ اعظم ﷺ سے محبت قلبی رکھتے ہیں۔

سید علی ہجویری محبت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب حب اور محبوب میں محبت کا رابطہ استوار ہوجاتا ہے تو نوبت یہاں پہنچتی ہے کہ محب کو محبوب کی خواہش کا ذوقاً ادراک ہوجاتا ہے۔ اور پیشتر اس کے کہ محبوب پانی پینے کی خواہش کا اظہار کرے محب اس کے حضور پانی پیش کر دیتا ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ ہر شخص حضرت اویس قرنی کی طرح محبت رسول ﷺ کا عاشق نہیں ہو سکتا مگر وہ اچھی عادات صالحین کو دیکھ کر ضرور اختیار کر سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے قریب قریب آ جائے ۔ باطہارت رہنا ،نماز کی تاکید رکھنا اور قرآن کے اس قول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ''ادخلو فی السلم کافتہ''اور''دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ'' خاصا وقت طلب کام ہے۔دنیاداروں کے لیے تب کہی جائے سبحان اللہ،سبحان اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو تلوار کی دھار پر چل کر نعت کہتے ہیں۔

۲۔دوسرا گروہ ہے جو ملکۂ شعری کی بنا پر نعت کے شعر کہہ لے گا۔ اگر غزل کا شعر ہوا ہے تو کسی نہ کسی طرح طیبہ، مدینہ ،مکہ مصرعے میں داخل کر کے نعت کا شعر سمجھ لے گا۔اس دوسرے گروہ کے افراد کی تعداد پہلے گروہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اوراس میں کئی قسم کے فکری شعبدے بھی دیکھنے کو ملیں گے۔ڈاکٹر ریاض مجید کے مقابلے میں کسی نعت گو ایک شعر درج ہے دیکھئے ایک قسم کے شاعر تو یہ ہوئے۔

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

دوسری قسم کے یہ ہوئے

کیا شان احمد کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

اللہ کو کیسا طاق میں بٹھا دیا ہے۔

اور تیسری قسم کے ہمارے ایک مرحوم شناسا جن سے دوسال ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء رابطہ رہا پھر کبھی ملاقات نہ ہوسکی کیوں کہ میں بسلسلۂ ملازمت ۱۹۵۲ء سے ۱۹۷۲ء تک مستقلاً کوئٹہ میں رہا۔ان کا اسم

گرامی عارف عبدالمتین ایک عدد نعتیہ مجموعے کے مصنف، ان کا یہ مجموعہ میرے مرحوم عزیز شاہد واسطی کی لائبریری میں دیکھا جس کا نمونے طور پر دو شعر پیش کرتا ہوں ان کی اس وکالت کے ساتھ کہ نیت ان کی نیک تھی یہ الگ بات کہ قواعد زبان سے واقف نہیں تھے، یہی حال قرآن وحدیث کی معلومات کا تھا۔ ملاحظہ کیجئے۔ نعتیہ مجموعے کا نام ''بے مثال'' ہے۔ مطبوعہ 1985ء

نعتیہ مجموعے کا پہلا شعر

تری حدیث ترے روبرو سناؤں تجھے
یہ آرزو ہے کبھی آئنہ دکھاؤں تجھے

دوسرا شعر

تو جسم و روح کے آہنگ کا نڈر داعی
خدا کے پہلو بہ پہلو مجھے خدائی دے

تبصرہ آپ پر چھوڑتا ہوں البتہ میرے محترم و مکرم جناب راجا رشید محمود کی کتاب ''پاکستان میں نعت'' کے حوالے سے یہ کہنا چاہوں گا کہ راجا صاحب کے بقول نعت کو کسوٹی پر نہیں پرکھا گیا ورنہ ان مادر پدر آزاد اس نام نہاد نعتوں میں کچھ تو کمی ہوتی۔

حواشی

۱۔ ''نعت'' لغوی مفہوم از ڈاکٹر ریاض مجید، فیصل آباد
۲۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کراچی
۳۔ راجا رشید محمود

طاہرؔ سلطانی

اِکّیسویں صدی اور نعت گویان

وقت انتہائی برق رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہا ہے۔ ہر آنے والی گھڑی بدلتے ہوئے حالات کے تحت ایک نئے انقلاب کی دعوت دے رہی ہے۔ تمام شعبہ ہائے زندگی میں بدلتے ہوئے حالات، اصلاحات اور اقدامات کے متقاضی ہیں تاکہ ہم اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کے تقاضوں کو حالات سے ہم آہنگ کر کے ان ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کر سکیں جو بحیثیت ایک داعئ دین ہم پر عائد ہوتی ہیں۔

کون انکار کر سکتا ہے اس تاریخی حقیقت سے کہ تاریخ انسانیت میں صدیوں پر محیط ایک دَور ایسا بھی گزرا ہے کہ ہم بحیثیت ایک امت مسلمہ انسانیت کی قیادت کر رہے تھے، لیکن مقصد حیات اور اس کے حصول کے لیے بنیادی ذمہ داریوں سے غفلت اور فرار کی وجہ سے یہ اُمت مسلمہ آج جس مقام پر کھڑی ہے اس کی تفصیلی وضاحت کی شاید چنداں ضرورت نہیں۔

اس صورت حال سے دوچار ہونے کی بنیادی وجہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ پروردگار عالم نے اس اُمت کو جس مقصد کی تکمیل کے لیے منتخب کیا ہے، بدقسمتی سے ہم اس مقصد کو بھُلا بیٹھے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ربّانی ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

(میں نے جنّوں اور انسان کو صرف اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے)

مراد یہ ہے کہ وہ اس دُنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق زندگی

گزاریں گے۔ فی الحقیقت بندگی رب کا ٹھیک مفہوم بھی یہی ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں تمام دِینی اور دنیوی فرائض اس طرح اَدا کرنا جیسا کہ حکم ربُّ العالمین اور فرمان رحمۃ للعالمین ﷺ ہے۔ اسی بات کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

ادخلو فی السلم کافۃ

(اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ)

یہاں بھی مراد یہی ہے کہ تمہاری عملی زندگی کا کوئی شعبہ اور گوشہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ جہاں تمہاری زندگی اسلامی احکامات سے بے نیاز ہوکر گزر رہی ہو اور تم اسلام کے علاوہ کسی اور ضابطہ حیات کے تحت زندگی گزار رہے ہو۔

اس سے قبل کہ میں اپنے اصل موضوع پر گفتگو کروں، یاددہانی کے طور پر آپ کے ذہن میں یہ بات بھی تازہ کردوں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد کیا تھا۔ اس مقصد کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

ھو الذی رسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہٖ

(وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دِینِ حق کے ساتھ اس لیے بھیجا کہ وہ اس دِین کو تمام ادیان (باطلہ) پر غالب کردے)

مراد یہ ہے کہ رسول کی بعثت کا مقصد وحید صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ دینِ حق کو تمام رائج الوقت ادیان پر غالب کردے۔

اس مقام پر پہنچ کر ہم انتہائی وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حمد ربُّ العالمین ہو یا ثنائے رحمۃ للعالمین ﷺ، اگر بنیادی طور پر اس کا فکری سرمایہ، قرآن کے بیان کردہ محور کے گرد نہیں گھوم رہا ہے اور انسانیت کے تخلیقی مقاصد اور انبیاء علیہم السّلام کے بعثتی مقاصد کو پورا نہیں کر رہا ہے تو ہمیں کُھلے دل سے یہ تسلیم کرلینا چاہیے کہ اُمت مسلمہ کی حیثیت سے، حمد و نعت کے میدان میں ہم وہ ادب تخلیق کرنے سے قاصر رہے ہیں جو فی الوقت مقصود ہے۔ فن شعر و شاعری کے حوالے سے اس میں کتنی ہی خوبیاں اور محاسن ہوں لیکن اصل رُوح غائب ہو تو ہم وہ مقاصد کیسے حاصل کرسکتے ہیں جس کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا ہے اور انبیاء علیہم السّلام کو مبعوث فرمایا گیا ہے۔

آج اس صدی میں اسلام اور اُمّت مسلمہ کو جن مشکلوں کا سامنا ہے اور جن کو موضوع بحث

بنا کر نثری تصانیف میں بھی اور منظوم کلام میں بھی۔ہم اس زوال پذیر اُمت مسلمہ کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ غیر مسلم اقوام کی گرفت سے نکل کر ایک بار پھر اپنے اصل طور پر واپس آ جائے۔

حمد و نعت وہ اصنافِ سخن ہیں جنہیں تمام اصناف میں ارفع و اعلیٰ تسلیم کیا گیا ہے۔نعت وہ صنفِ سخن ہے جس میں ایک طرف عربی کا دامن حضرت کعب بن مالک، حضرت حسّان بن ثابت، کعب بن زہیر اور امام بوصیری کے نعتیہ اشعار سے مزیّن ہے تو دوسری جانب فارسی میں حافظ، جامی، قدسی، سعدی، خسرو اور اقبال پرچمِ نعت اُٹھائے نظر آ رہے ہیں۔اسی طرح اُردو میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی، محسن کاکوروی، الطاف حسین حالی، امیر مینائی، مولانا حسن رضا خاں، بیدم شاہ وارثی، مولانا ظفر علی خان، حافظ پیلی بھیتی، مولانا ضیاء القادری، ماہر القادری، بہزاد لکھنوی، صبا اکبرآبادی، شاعر لکھنوی، منور بدایونی، محشر بدایونی، شاہ انصار الٰہ آبادی، حفیظ تائب، مظفر وارثی، علامہ ریاض الدین سہروردی، ادیب رائے پوری، قمر انجم جیسے معتبر شعراء نے اپنے نعتیہ کلام کے ذریعے غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے قلوب کو گداز اور آنکھوں کو نمی عطا کی۔ساتھ ساتھ دِین کی موثّر ترین تبلیغ بھی کی۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان شعراء کا نعتیہ کلام اور ان کا نام ذہنوں پر نقش ہے۔عصر حاضر میں یہ خوبیاں بہت کم نظر آتی ہیں اس کی وجہ شاید ہمارے قول و فعل میں تضاد، طلبِ زَر کی حد درجہ خواہش، آخرت کا تصوّر دُھندلا دُھندلا سا ہے۔

نعت کا فیضان تو ۱۴ سو برس سے روزِ روشن کی طرح جاری و ساری ہے۔نعت تو رحمت ہی رحمت ہے۔نعت عظمت ہی عظمت ہے۔نعت شعور ہی شعور ہے۔نعت علم و عمل اور ایمان و فکر کا محور ہے اور ہمیشہ رہے گی۔انشاءاللہ

ایک سوال یہ بازگشت کر رہا ہے کہ اکیسویں صدی میں نعتیہ ادب کے امکانات، یہ سوال بے معنی سا لگتا ہے۔سوال یوں ہوتا کہ اکیسویں صدی میں نعت گویان کا کردار تو زیادہ بہتر تھا۔معذرت کے ساتھ مجھے کہنے دیجئے کہ اکیسویں صدی کے نعت خواں وہ نعت گو شعراء کے دامنوں میں علم و عمل، صدق و صفا کی کمی، نام و نمود اور طلبِ زَر کی خواہش کچھ زیادہ نظر آتی ہے۔ماسوا چند ایک کے، آخر ایسا کیوں ہے؟ شاید بے عملی اور اخلاص کی کمیابی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج مولانا احمد رضا خاں بریلوی، محسن کاکوروی، بیدم شاہ وارثی، امیر مینائی، حافظ پیلی بھیتی، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا حسن رضا خاں جیسے شعراء سامنے کیوں نہیں آتے؟ مولانا احمد رضا خاں کا ذِکر تو دُور کی بات ہے ان کا عشرِ عشیر بھی نظر نہیں آتا ہے۔آج محسن

کاکوروی جیسا قادرالکلام شاعر کیوں میسّر نہیں؟ حُبِّ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار امیر مینائی جیسا شاعر بھی نظر نہیں آتا۔ آج نعتیہ شاعری کا معیار بلند کیوں نہیں؟ میں پھر یہی کہوں گا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ''اکیسویں صدی میں نعت گوشعراء کا کردار کیا ہونا چاہیے؟'' کے عنوان پر ایک مذاکرہ کا انعقاد کیا جائے اور اس مذاکرے میں نعت گوشعراء کرام کو ہی مدعو کیا جائے، چونکہ میری نظر میں خوداحتسابی اعلیٰ ظرفی کی پہچان ہے۔

''اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے عشق کا دعویٰ''

یہ دعویٰ تو تقریباً سب ہی کو ہے۔ ہر دعویٰ روشن دلیل کا طالب ہوتا ہے۔ روشن دلیل پیش کرنے کے لیے قرآن وسیرت کا مطالعہ نیز اس کو سمجھ کر اس تعلیم پر عمل پیدا ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ جس طرح اچھا شاعر بننے کے لیے اچھا انسان بننا ضروری ہے اسی طرح ایک اچھا نعت گو اور ایک اچھا نعت خواں بننے کے لیے باعمل مسلمان ہونا ضروری ہے تب کہیں جا کے یہ بات پیدا ہوگی ؂

''جو قلب کو گرما دے جو رُوح کو تڑپا دے''

اور جب قلب میں سوز وگداز اور تڑپ پیدا ہوجائے تو یہ صدائیں آنے لگتی ہیں ؂

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں دل داغدار رہنے دے
سدا بہار اسے کردگار رہنے دے

(ظفرؔ)

عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو دل میں تو ضوبار ہے حیات
اُن کی طلب میں گذرے تو انوار ہے حیات

(طاہرؔ)

حال ہی کا واقعہ ہے کہ پی ٹی وی نے محفلِ نعت کا انعقاد کیا۔ دورانِ نعت خوانی نمازِ عصر کا وقت ہوگیا۔ کسی کو نماز اَدا کرنے کا ہوش ہی نہیں۔ ایک دو اللہ کے بندوں نے کہا بھی تو جواب یہ ملا کہ ہمارے پاس وقت کم ہے، چونکہ اسٹوڈیو دوسرے پروگرام کے لیے بُک ہے۔ نہ جانے کتنے لوگوں کی نماز قضا ہوئی۔ محفل نعت کا انعقاد کرنے والے شاید یہ بھول گئے کہ جن کے ذِکر کے لیے اہتمام کیا گیا ہے اُن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے کہ:

''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''

اس محفل کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس محفل میں معروف نعت خواں، نعت گو کے علاوہ ملک کے ایک معروف عالمِ دین بھی موجود تھے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پی ٹی وی ہی کے نعتیہ مشاعرے میں بھی پیش آ چکا ہے۔ کیا پی ٹی وی اور دیگر چینلوں کے منتظمین اس قسم کے پروگراموں کا شیڈول اس طرح نہیں بنا سکتے کہ نماز قضا نہ ہو، کیونکہ نماز فرض ہے۔

رُوح سے تڑپ اور قلب سے گرمی نکلنے کی وجہ صاف نظر آ رہی ہے۔ مجھ ناچیز کا مشورہ تو یہی ہے کہ پہلے نعت گو شعراء کو اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر ہمارے حمد گو اور نعت گو و نعت خواں حضرات اپنے کلام کے ذریعے قرآن و سنّت کے حوالے سے، اس اُمت کو اس کے اصل محور پر مضبوطی سے قائم رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، پھر کہیں ہم سر اُٹھا کر یہ کہنے کے قابل ہو سکتے ہیں کہ ہم نے کم از کم اپنی امکانی حد تک اپنا فرض اَدا کر دیا ہے۔

ابتدا سے لے کر اب تک حمدیہ اور نعتیہ کلام میں جن اُمور کو موضوعِ کلام بنایا جاتا رہا ہے وہ سب اپنی جگہ بجا، لیکن سب سے اہم چیز جس پر ہمارے شعراء حضرات کو خصوصی توجہ دینی چاہیے، یعنی اس کو موضوعِ کلام بنایا جانا چاہیے وہ ہے دعوتِ دین اور اس دین کی دعوت کے وہ تمام مراحل جن سے گزر کر صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں اس قابل ہوئے کہ اسلام کا پھریرا نصف دُنیا پر لہرانے لگا۔

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(اقبال)

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

نعت میں ضمائر کا استعمال

نعت گوئی کے فن میں ضمائر یعنی 'تو' اور 'تم' کا استعمال اور ان کے مراجع کا تعین ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ضمائر کا استعمال حد درجہ سلیقہ اور قرینہ کا متقاضی ہے اس لیے کہ ضمائر کے استعمال میں اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کون سی ضمیر کس ذات کے لیے استعمال ہو رہی ہے اور اس کا تعلق عبد سے ہے یا معبود سے، نیز اسی کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ کس ضمیر کا مرجع کیا ہے۔ نعت میں ضمائر کے استعمال سے زیادہ توجہ اور احتیاط اس کے مرجع کے تعین میں دامن گیر ہوتی ہے۔ بہ ہر حال! نعت میں ضمائر کا استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن مکمل حزم و احتیاط کے ساتھ کہ معنی و مفہوم تخریب کاری کے شکار نہ ہوں ورنہ عبد کا اطلاق معبود پر اور معبود کا اطلاق عبد پر ہو جائے گا جس سے دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی ہمارا مقدر بن سکتی ہے۔ امیرؔ مینائی کا یہ شعر دیکھیں جس میں مرجع اور مُشارُ الیہ کا تعین سمجھ میں نہیں آتا ؎

پا گئی رنگِ دو رنگی سے وہ خلوت گہہِ خاص
وہی شیشہ ، وہی مَے خوار تھا معراج کی شب

امیرؔ مینائی کا یہ شعر اس امر کا اشارہ ہے کہ قابَ قوسین کی خلوتِ گاہِ خاص میں دو نہ تھے بل کہ صرف ایک ہی ذات تھی۔ وہی ذات شراب کی بوتل، وہی ذات شراب پینے والی تھی۔ مصرعۂ اولیٰ کے لفظ ''وہ'' کا مرجع اور مُشارُ الیہ کون سی ذات ہے واضح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یا اللہ جل شانہ کی۔ امیرؔ مینائی کا ''وہی'' سے خدا کی طرف اشارہ ہے یا حبیبِ خدا کی جانب، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ غرض مرجع اور مُشارُ الیہ کے مجہول استعمال سے شعر ایک پہیلی بن کر رہ گیا ہے۔ خدا کو رسولِ خدا کا منصب دینا یا رسولِ خدا کو خدا کے مقام پر فائز کرنا یا دونوں کو ایک ہی قرار دینا دونوں ہی صورتیں قابلِ گرفت ہیں۔ نیز خدا اور حبیبِ خدا کو شیشہ و شراب اور مَے خوار جیسے

سوقیانہ الفاظ سے تشبیہ دینا ادب و احترام کے یکسر خلاف ہے۔ چناں چہ آدابِ نعت میں یہ بات پیشِ نظر رکھنا شاعر کے لیے از حد ضروری ہے کہ وہ رسولِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس صفت یا ضمائر کا استعمال کر رہا ہے وہ ادب اور احترام سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو، تاکہ کسی بھی طرح سے نعت کا تقدس اور پاکیزگی مجروح نہ ہو سکے۔ عربی اور فارسی کے بجاے اردو لسانیات کا یہ ایک توصیفی پہلو ہے کہ اس میں معظم او رمکرم شخصیتوں کے لیے ضمیرِ تعظیمی (آپ) کا استعمال کیا جاتا ہے جس سے ممدوح کا علوے مرتبت ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے نعت میں ضمائر ''تو'' اور ''تم'' سے اجتناب برتنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ لیکن یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ جن بزرگ شعرا نے رسولِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نعتیہ کلام میں ضمائر کا استعمال کیا ہے انھیں شریعت سے بے خبر اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب اور گستاخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جیسا کہ استاذِ محترم پروفیسر ڈاکٹر اشفاق انجم نے نعت میں ضمائر سے متعلق جو اظہارِ خیال کیا ہے اُس سے جیدا کابرِ امت پر ضرب پڑتی ہے۔ موصوف راقم ہیں:

'' آج بھی اکثر شعرا سید الثقلین، حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''تو' سے مخاطب کرتے ہیں، میری نظر میں یہ گستاخی کی انتہا ہے''(1)

محترم ڈاکٹر اشفاق انجم نے نعت میں ضمائر ''تو'' ...... ''تم'' اور اس کی اضافی صورتوں کے استعمال کو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ہمیں حیرت ہوتی ہے موصوف کے مجموعۂ کلام کے نام ''صلوا علیہ وآلہٖ' پر کہ اس میں ''علیہ'' ضمیر واحد غائب ہے جس کے معنی ہوتے ہیں ''اُس'' ...... اِس طرح اگر نعت میں ضمائر ''تو'' ......''تم'' اور اس کی اضافی صورتوں کا استعمال استاذِ محترم ڈاکٹر اشفاق انجم کے نزدیک بارگاہِ نبوی علیہ الصلاۃ والتسلیم میں گستاخی ہے تو موصوف خود اسکے مرتکب ہو رہے ہیں!......

یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم نعت میں ضمائر کے استعمال کی وکالت کر رہے ہیں۔ بل کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ لسانی ترقی کا دائرہ جب تک محدود رہا تو جن شعرا نے نعت میں ضمائر کا استعمال کیا انھیں گستاخ اور بے ادب قرار دینا سراسر انصاف و دیانت کے منافی ہے۔ خود محترم ڈاکٹر اشفاق انجم کی مرقومہ ''مناجات بہ واسطۂ صد و یک اسماے رسولِ کریم ﷺ'' کے چند اشعار نشانِ خاطر کریں جس میں آپ نے ضمائر ''تو'' ......''تم'' اور اسکی اضافی صورتوں کا استعمال کیا ہے ؎

مدداے شفیعِ امم المدد

کہ گھیرے ہیں رنج و الم المدد
تمہی ہو ولی و نبی و رسول
شفیق و شکور و حبیب و وصول
تمہی داعی و ہادی و ہاشمی
تمہی بالغ و صادق و ابطحی
تمہارے کرم سے ہوں میں نام دار
جلائے گی کیا مجھ کو دوزخ کی نار
ہو جنت میں ایسی جگہ گھر مرا
تمہیں دیکھوں ہر دم حبیبِ خدا

(اشفاق انجم، ڈاکٹر: روز نامہ انقلاب، ممبئی، جمعہ میگزین، بہتاریخ 1؍جنوری 2010ئ،ص10)

ڈاکٹر اشفاق انجم کی اس مناجات سے استغاثہ وفریاد کا جو پُرسوز انداز مترشح ہوتا ہے اس سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی مخلصانہ عقیدت و محبت عیاں ہوتی ہے ۔ اسمناجات میں آپ نے ضمائر ''تو'' ......''تم'' اور اس کی اضافی صورتیں استعمال کی ہیں، لیکن کہیں بھی معنی و مفہوم کا عمل ادب واحترام کے تقاضوں سے دور نہیں ہوا ہے ۔ جب انجم صاحب خود ضمائر کا استعمال کر رہے ہیں تو انھیں چاہیے کہ اپنے فرمانِ والا شان پر نظر ثانی فرمالیں ۔

اس کے علاوہ نعت میں ضمائر کے استعمال سے متعلق ڈاکٹر اشفاق انجم ہی سے ملتا جلتا خیال ڈاکٹر ملک زادہ منظورؔ نے اپنے ایک مضمون مشمولہ ماہنامہ ''مظہرِ حق'' بدایوں کے ''تاج الفحو ل نمبر'' میں ظاہر فرمایا ہے موصوف لکھتے ہیں :

> 'اچھے نعتیہ کلام کے حسن میں اس وقت اور اضافہ ہو جاتا ہے جب شاعر احترام و ادب کے سارے لوازمات کو ملحوظِ خاطر رکھے اور اسی سیاق وسباق میں الفاظ و محاورات ،صنائع و بدائع اور ضمائر کا استعمال کرے ۔ چوں کہ اردو زبان میں کلمہِ تعظیمی بہت زیادہ مستعمل ہیں اسلیے نعتیہ کلام میں ''تو'' اور ''تم'' قابلِ اجتناب ہو جاتے ہیں جو شعرا شریعت کے رموز ونکات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ ان کی جگہ ''وہ''، ''اُن'' اور ''آپ'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ۔''(2)

ڈاکٹر ملک زادہ منظورؔ کی محولہ بالا عبارت سے نعت لکھتے وقت ضمائر کا خیال کس طرح رکھا

جائے پورے طور پر واضح ہوگیا ہے لیکن مذکورہ عبارت اس بات کا اشاریہ بھی ہے کہ جو شعرا اپنے نعتیہ کلام میں ''تو'' اور ''تم'' اور اس کی اضافی صورتوں کا استعمال کرتے ہیں گویا وہ شریعتِ مطہرہ کے اسرار و نکات سے یک سر ناواقف ہیں اور یہ کہ یہ ضمیریں نعت میں استعمال کرنا ایک طرح کا سوءِ ادب اور گستاخی ہے۔ جب کہ اردو کا کوئی بھی ایسا شاعر نہیں ہوگا جس نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کمالِ ادب و احترام ملحوظ رکھنے کے باوجود ان ضمائر کا استعمال نہ کیا ہو۔ قواعد کی رُو سے ان ضمائر ''تو'' اور ''تم'' کا جب تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے رکنِ مجلسِ شوریٰ و معروف ادیب ڈاکٹر شکیل اعظمی ''تو''، ''تم'' اور ''تیرا'' وغیرہ ضمائر کی تحقیق کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں :

> ''تو، تم، تیرا، وغیرہ اگر چہ لغۃً ضمیرِ مخاطب اور کلمۂ خطاب ہے جو ادنیٰ کی طرف کیا جاتا ہے۔ فارسی میں ''تو'' اور ''شما'' عربی میں ''انت'' ۔۔۔۔ ''انتم'' ۔۔۔۔ ''لک'' ۔۔۔۔ ''بک'' وغیرہ ایک ہی انداز سے استعمال ہوتے ہیں خواہ مخاطب ادنا اور کمتر درجے کا ہو یا اعلا اور برتر درجے کا۔ لیکن اردو میں تو، تیرا، تم جیسے کلماتِ خطاب و ضمائر ادنا اور کمتر درجے کے لئے مستعمل ہیں لیکن یہ معاملہ صرف نثر تک ہی محدود ہے، نظم میں معاملہ اس سے مختلف ہے۔

چناں چہ قواعدِ اردو از مولوی عبدالحق میں صاف درج ہے کہ نظم میں اکثر مخاطب کے لیے 'تو' لکھتے ہیں یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہوں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے

بعد شاہانِ سلف کے 'تجھے' یوں ہے تفضیل
جیسے قرآن پسِ توریت و زبور و انجیل

(ذوقؔ دہلوی)

دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ
کہاں تک کہوں 'تو' چنیں و چناں ہے

(میرؔ)

اگر چہ لغوی اعتبار سے 'تو' اور 'تیرا' کے الفاظ کم تر درجے والوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں لیکن اہلِ زبان پیار و محبت کے لیے بھی ان کا استعمال کرتے ہیں اور کسی بھی زبان میں اہمیت اہلِ زبان کے محاورات اور استعمالات ہی کو حاصل ہوتی ہے اس لیے نعتِ پاک میں انکا استعمال قطعاً درست

ہے اور اس میں کسی طرح کی بے ادبی اور شرعی قباحت نہیں ۔''(3)

واضح ہو کہ نعت میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے ضمائر 'تو' اور 'تم' اور ان کی اضافی صورتوں کا استعمال بلا شبہ کیا جاسکتا ہے اور نعت میں ضمائر کا استعمال کرنے والے بزرگوں اور نعت گو شعرا کو بارگاہِ رسالتصلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب اور گستاخ قرار نہیں دینا چاہیے ۔ بہ طورِ مثال مشہور و معروف اور مستند شعرا کے نعتیہ اشعار جن میں 'تو، تیرا، تم، تجھ وغیرہ ضمائر کا استعمال کیا گیا ہے ملاحظہ ہو ۔

کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یارسول 'تیری' رحمت ہے یقینی یارسول
(میر تقی میرؔ)

'تم' شہ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰ سرگروہِ مرسلیں ہو یا محمد مصطفیٰ
(نظیرؔ اکبرآبادی)

والیل 'تیرے' گیسوے مشکیں کی ہے قسم والشّمس ہے 'ترے' رُخِ پُر نور کی قسم
(بہادر شاہ ظفرؔ)

حشر میں امّتِ عاصی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا بخشوانا 'تجھے' مرغوب ہوا، خوب ہوا
(داغؔ دہلوی)

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے امّت پہ 'تری' آکے عجب وقت پڑا ہے
(حالیؔ)

جھلکتی ہے 'تری' امّت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں
شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر اب 'تو' ہی بتا 'تیرا' مسلمان کدھر جائے
(ڈاکٹر اقبالؔ)

'ترے' روضے کو مسجودِ زمین و آسماں کہیے عبادتخانۂ عالم، مطاعِ دوجہاں کہیے
(محسنؔ کاکوروی)

'تو' جو چاہے ارے او مجھ کو بچانے والے موجِ طوفانِ بلا اُٹھ کے سفینہ ہوجائے
(ریاضؔ خیرآبادی)

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنّا 'تمہیں' تو ہو ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا 'تمہیں' تو ہو
(ظفرؔ علی خان)

زینت ازل کی 'تو' ہے تو رونق ازل کی 'تو' دونوں میں جلوہ ریز ہے 'تیرا' رنگ و آب
(سائل دہلوی)

'ترے' کردار پہ دشمن بھی انگلی رکھ نہیں سکتا 'ترا' اخلاق تو قرآن ہی قرآن ہے ساقی
(ماہر القادری)

سلام اے ظلِ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی 'ترا' نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
(حفیظ جالندھری)

کس کی مشکل میں 'تری' ذات نہ آڑے آئی 'تیرا' کس پر نہیں احسان رسولِ عربی
(بیدم وارثی)

مرے آقا رسولِ محترم خیرالوریٰ 'تم' ہو خدائی بھر کے داتا شافعِ روزِ جزا 'تم' ہو
(جذبی بریلوی)

'تری' پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے بخشا گدائے راہ کو 'تو' نے شکوہِ حیدری
(جوش ملیح آبادی)

حمیدِ بے نوا پر بھی کرم ہو مُسلّم ہے 'ترا' فیضِ دوامی
(حمید صدیقی لکھنوی)

ہے 'تری' ذات باعثِ تخلیقِ دوعالم جھکتے ہیں 'ترے' در پر جہاں گیر و جہاں دارا
(شورش کاشمیری)

کُنتُ کنزاً سے ہویدا ہے حقیقت 'تیری' نورِ بے کیف کا آئینہ ہے صورت 'تیری'
(عزیز صفی پوری)

'تو' حبیبِ ربِّ جلیل ہے 'تری' عظمتوں کا جواب کیا 'تو' ضیائے شمعِ خلیل ہے 'تری' رحمتوں کا جواب کیا
(شعری بھوپالی)

'ترے' نام سے ہے سکونِ دل، 'ترا' ذکر وجہِ قرار ہے 'تری' یاد پر شہِ بحر و بر، مری زندگی کا مدار ہے
(نفیس لکھنوی)

رخشندہ 'ترے' حسن سے رخسارِ یقیں ہے تابندہ 'ترے' عشق سے ایماں کی جبیں ہے
(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم)

کعبہ ہے زاہد کا قبلہ، میں تو ہوں 'تیرا' عاشقِ شیدا قبلہ مرا 'ترے' ابروئے پُرخم، صلی اللہ علیک وسلم

(آسیؔ سکندر پوری)

دستگیریاب ’تری‘ درکار ہے ہےفقیرؔ خستہ مضطر الغیاث

(فقیرؔ بدایونی)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور ادب واحترام خانوادۂ رضا بریلوی کا طرۂ امتیاز ہے، امام احمد رضا محدثِ بریلوی اور ان کے فرزندِ ارجمند مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ نعت گوشعرا ہیں کہ جن کی مثیل ونظیر شاید ہی کہیں ملے۔ ان شمع رسالت کے پروانوں اور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کے شعر شعر میں شرعی ولسانی حزم واحتیاط کے وہ جلوے پنہاں ہیں جو کسی اور کے یہاں شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہوں ان واقفانِ علمِ شریعت اور محافظانِ ناموسِ رسالت نے بھی اپنے نعتیہ کلام میں ’’تو، تیرا،تم‘ وغیرہ ضمائر کا بلا تکلف استعمال فرمایا ہے۔

چنانچہ امام احمد رضا بریلوی نے اپنے مشہور ومعروف نعتیہ مجموعۂ کلام ’’حدائقِ بخشش‘‘ میں جو پہلی نعت درج کی ہے اس کی ردیف ہی ’’تیرا‘‘ ہے ؎

وا ہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا ’تیرا‘
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا ’تیرا‘
’تیری‘ سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اُس کو شفیع
جومرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا ’تیرا‘

مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوریؔ بریلوی کے نعتیہ کلام میں ضمائر کا بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ مگر ضمائر کے مراجع اور مُشارٌ الیہ میں کہیں بھی مجہول انداز نہیں دکھائی دیتا، کلامِ نوریؔ میں ضمائر کا استعمال بڑے حسن وخوبی اور سلیقہ وقرینہ سے کیا گیا ہے کہ کہیں بھی اس کے مرجع کے تعین میں کسی طرح کی کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی ؎

ضیابخشی’تری‘ سرکار کی عالم پہ روشن ہے
مہ و خورشید صدقہ پاتے ہیں پیارے ’ترے‘ در کا
’تو‘ ہے رحمت، بابِ رحمت ’تیرا‘ دروازہ ہوا
سایۂ فضلِ خدا سایہ ’تری‘ دیوار کا
فوج ِغم کی برابر چڑھائی ہے

دافعِ غم 'تمہاری' دہائی ہے
'تم' نے کب آنکھ ہم کو دکھائی ہے
'تم' نے کب آنکھ ہم سے پھرائی ہے
'تو' خدا کا ہوا اور خدا 'تیرا'
'تیرے' قبضے میں ساری خدائی ہے
تاج رکھا 'ترے' سر رفعنا کا
کس قدر 'تیری' عزت بڑھائی ہے

مذکورہ بالا اشعار میں بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام اور تعظیم و توقیر کے جملہ لوازمات کے ساتھ ضمائر کو نہایت طریقے اور سلیقے کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ مثالوں سے کلّی طور پر واضح ہو گیا کہ حضرت نوریؔ بریلوی نے بھی ضمائر کی زبان میں نعت نگاری کی ہے۔ لیکن زمامِ حزم و احتیاط کو مکمل طور پر ملحوظِ خاطر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام اپنی قادرالکلامی اور انفرادیت کی آئینہ داری کرتا ہے۔

حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ نعت میں ضمائر کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سلیقہ مندی سے کہ معنی و مفہوم کسی بھی طرح کی تخریب کاری کے شکار نہ ہوں اور نعت کے جملہ لوازمات کا احترام بھی باقی رہے۔ ہاں! وہ شعرائے کرام جنھوں نے لسانی ترقی کے ہوتے اپنی نعتوں میں ضمائر ''تو، تم تیرا'' اور اس کی شکلیں کی بجائے ضمیرِ تعظیمی ''آپ'' کا استعمال کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ بلاشبہ لائقِ تحسین و آفرین ہیں۔ آج جب کہ زبان کا دائرہ وسعت اختیار کر چکا ہے تو نعت نگار شعرا کو چاہیے کہ نعت میں ضمیرِ تعظیمی کا ہی استعمال کریں تو بہتر ہے۔

حواشی

(1) اشفاق انجم، ڈاکٹر: پیش لفظ صلوا علیہ وآلہ،

(2) ماہنامہ اشرفیہ: ستمبر 2000ء مبارک پور، ص43

(3) ماہنامہ اشرفیہ: ستمبر 2000ء مبارک پور، ص48/49 {............}

علیم صبا نویدی

جنوبی ہند میں عربی شاعری کی ابتدا

جنوبی ہند میں عربوں[۱] کی آمد:

شمالی ہندوستان میں عربوں کی آمد خصوصاً سندھ کے علاقوں پر عرب کے حملہ ۱۱ءیء میں محمد قاسم (بنوامیہ کا ایک جنرل) سے شروع ہوتی ہے۔ مگر اس سے پہلے ہی سرندیپ اور ٹمل ناڈو میں عربوں کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ عربوں نے سمندری راستوں سے سرندیپ اور ٹمل ناڈو کے ساحلوں پر اپنے قدم تجارت کی غرض سے رکھے تھے اور ٹمل ناڈو کے بعض علاقوں میں بود و باش بھی اختیار کر لی تھی۔ جو عرب ٹمل ناڈو میں بس گئے تھے ان کو سنہالی زبان میں ترکالیا (جہاز راں) کہا جاتا ہے اور ٹمل ناڈو کے عرب باشندوں کو بھی مرکا کہا جانے لگا تھا۔ جو آج بھی ایک خاندان کے طور پر موجود ہے۔ ٹملناڈو میں بھی مرکّالم کے معنی کشتی کے ہیں۔ محمد بن قاسم کی آمد سے قبل ہی ٹمل ناڈو میں اسلام کی ترویج و اشاعت کا آغاز ہو چکا تھا۔ ٹمل ناڈو میں دو صحابئ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد ہی غالباً ابتدائی عربوں کی آمد ہے۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن صحابئ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو جنگ بدر میں بھی شریک رہ چکے ہیں۔ کب یہاں آئے، اس کی تاریخ ابھی پردۂ اخفاء میں ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا روضۂ مبارک محمود بندر (پورٹو نودو) میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ اسی طرح مدراس کے قریب ساحل کولم پر حضرت تمیم انصاری کا روضۂ شریف ہے جہاں ہندوستان بھر سے زائرین اُمڈ آتے ہیں اور روحانی سکون حاصل کرتے ہیں۔ سرندیپ میں حضرت آدم علیہ

---

[۱] ڈاکٹر تیکا شعیب عالم کی تصنیف Arabic, Arwi and Persion in sarandib and Tamil Nadu سے استفادہ کرتے ہوئے۔

السلام کے نقش پا کو دیکھنے کی غرض سے بھی بہت سے عربوں کی آمد اس جزیرے میں ہوئی اور بہت سوں نے یہاں سکونت بھی اختیار کرلی۔ یہاں آدم پہاڑی چوٹی Adam's peak موجود ہے۔ جو زیارت گاہِ ہر خاص وعام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہی عربوں کی آمد کا سلسلہ سرندیپ اور ٹمل ناڈو میں ہو چکا تھا۔ اور یمن سے چار جہازوں پر عرب، ساحل کورومنڈل آئے تھے۔ جن میں سے ایک جہاز سرندیپ کی طرف چلا گیا تھا۔ سرندیپ میں عربی النسل مسلمانوں کو مونا گار یا مُور کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے ٹمل ناڈو کی راہ سے ہی یہ عرب النسل لوگ سرندیپ میں بسنے لگے ہیں۔ یہاں کٹّی واٹّے نامی علاقہ میں ایک قدیم مسجد ہے۔ جس میں تعمیری پتھر پر یہ کندہ ہے کہ یہ مسجد ۳۰۳ھ مطابق ۹۱۵ء میں تعمیر ہوئی ہے۔ محمد بن قاسم سے بہت پہلے ہی عرب یہاں آئے تھے اور تبلیغ اسلام کے پوری طرح مسلم آبادیاں قائم ہونا شروع ہوگئی تھیں اور مسجدیں تعمیر ہونے لگی تھیں۔ لامحالہ بچوں کی تعلیم کے لئے عربی مدرسوں کی بھی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی اور عربی تعلیم وتدریس کا کام شروع ہوگیا۔

۲۳۲ھ م ۸۴۶ء میں مسلمان مہاجرین کی ایک جماعت مصر سے محمد خلجی نامی سالار کی نگرانی میں ٹمل ناڈو کے کایل پٹنم پر آکر اتری۔ یہاں ایک تلیگو راجہ جیا ویرا راجا گرو بودی چکرورتی اس وقت کا چولا راجہ تھا۔ جو مورائی کے پایہ تخت پر براجمان تھا۔ اس نے اس مہاجر جماعت کا خیر مقدم کیا اور رہائش کی نہ صرف اجازت دی۔ بلکہ ایک کانسی کی تختی پر کندہ کرا کے ایک دستاویز بھی ان کو دی کہ اس علاقہ کو اُن کی تحویل کیا جاتا ہے۔ یہ کانسی کی تختی ٹمل زبان میں کندہ کرائی گئی ہے۔ جس میں ان عربوں کے نام بھی کندہ ہیں اور ان کی تاریخ آمد بھی درج ہے۔ مثلاً ''سہا پتم ۹۸۷ کیلا گا سال، ماہ منیام سوکر اورم (جمعہ) اوترا اُملئ'' اس کے مطابق ان کی آمد ۱۴ / اپریل ۸۷۵ء جمعہ کا دن (مطابق ۲۶۲ ھ) ہے۔ کایل پٹنم میں عربوں کی آبادی اطراف واکناف کے علاقوں پر بھی اسلام کی ترا ویج کا باعث بنی۔ خلجی خاندان ہندوستان گیر شہرت کا مالک ہوا اور ایک طویل مدّت تک حکومت کرتا رہا۔ عربوں کا اہم مقصد تجارت رہا ہے مگر ان میں اشاعت اسلام کی آرزو بھی جوش لے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اپنے اخلاق اور مراسم کے ذریعہ غیر مسلمانوں پر اپنے اثرات مرتب کئے اور اُن کو اپنا گرویدہ کرلیا۔ تقریباً ۷۱ ۴ھ میں ترچنا پلی میں حضرت نطہر ولی رحمہ اللہ کے باعث ان عربوں کی تحریک کو اور تقویت پہنچی۔ بڑی تیزی سے لوگ اسلام قبول کرنے لگے تھے۔

سلطان سید ابراہیم شہید رحمہ اللہ ایک بزرگ نے ۵۷۸ھ م ۱۱۸۲ء میں پوتیرا مازنگا پٹنم کو اپنا

پایہ تخت بنا کر اپنی حکومت بھی قائم کرلی تھی ۔ مگر ۵۹۵ھ م ۱۱۹۸ء میں وہ شہید(۱) کردیئے گئے ۔ ان کی درگاہ ایرواڈی میں زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ بزرگ عرب سے آئے تھے اور مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام یار باد کے رہنے والے تھے۔ اس لئے ان کی زیارت گاہ کو یار بادی کہا جانے لگا تھا۔ جو بعد میں چل کر ایرواڈی ہوگیا۔ سلطان ابراہیم شہید ''عرب تمل'' میں بھی درک رکھتے تھے۔ مثنویؔ '' دین وِلیکّم'' (مذہب کی تشریح) میں اسی سلطان سید ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو ہیرو قرار دیا گیا ہے اور مثنوی کے موضوع میں انہی کو مرکزی کردار قرار دیا گیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تمل ناڈو میں سیاسی اا ور سماجی حیثیت سے مسلمان کی اہمیت مستحکم ہوچکی تھی ۔ ساتوں صدی ہجری میں سلطان تقی الدین ابن عبدالرحمٰن نے کیلا کرائی میں اپنے قدم جمائے تھے۔ یہ ایران کے علاقہ کش سے ہندوستان آئے تھے ۔ ان کی آمد بھی بغرضِ تجارت ہی تھی ۔ مگر بعد میں انھوں نے یہاں استقامت سے کام لیا۔ ان کے بڑے بھائی سلطان جمال الدین کش کے فرماں روا تھے کہا جاتا ہے کہ کش سے سالانہ ایک ہزار گھوڑے تجارت کے لئے کیلا کرائی لائے جاتے تھے تاکہ پانڈیا حکومت میں انھیں اچھے داموں فروخت کرسکیں۔ سلطان تقی الدین نے ۷۰۳ھ ۱۳۰۳ء میں کیلا کرائی میں رہائش اختیار کی ۔ ۷۱۸ھ م ۱۳۱۰ء تک وہ ماراورمن کُلاسیکرا پانڈین اوّل کے وزیر اعظم کی حیثیت سے بھی رہے ۔ انھوں نے پانڈیا راجہ ہی کے خاندان کی ایک لڑکی سے بیاہ بھی کیا۔ راجہ کے انتقال ۶۹۲ھ م ۱۲۹۲ء کے بعد کیلا کرائی اور اس کی مضافات دیوی پٹنم پر سلطان تقی الدین کا رسوخ اور گہرا ہوگیا۔ تقی الدین کے بعد ان کا بیٹا سلطان سراج الدین ان کا جانشین ہوا۔ ایک پٹھان جنزل، خسرو خان نے ۷۱۹ھ م ۱۲۹ ۱ء کو دیوی پٹنم پر حملہ کرکے اُسے شہید کردیا۔ شیخ عبدالقادر الموسوم بہ سید اکھادی تمل شاعروں کے بڑے مداح رہے ہیں ۔ شیخ عبدالقادر بھی سلطان تقی الدین ہی کے خاندان سے تھے۔

تمل ناڈو کے ان علاقوں میں عربوں کی آمد کی اس مختصر سی تاریخ کی روشنی میں ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی دور میں عربوں نے محض اسلام ہی سے یہاں کے باشندوں کو متعارف نہیں کیا۔ بلکہ لسانی اور معاشرتی اثرات بھی کئے ۔ عرب اور ٹمل کے مخلوط رویے نے ایک ایسی زبان کی بنیاد ڈالی جو عربی تمل آمیز زبان بنی اور جس کا نام بھی ''عرب تمل'' پڑا۔

عرب تملِ قصیدوں کا نمونہ پیش ہے: ؎

---

(۱) عربیک، اروی پرشین ان سرندیپ اینڈ تمل ناڈو: تیکا شعیب عالم: ص: ۱۹ مطبوعہ ۱۹۹۳)

مکم فرنتار متری فتار　　　مکو مواضتار مدینم چنرار
مکیمانور مت محمد　　　صلوۃ صل علی محمد
اشیی کندور عرشمیل چنرور　　　چیت نونرور شعکیی نور نرور
وٹیغکضلاۂ کر محمدر　　　صلوۃ صل علی محمد
کارن کروی کرتض اروے　　　فورن اروی سردار کروی
ویر فدیت وت محمد　　　صلوۃ صل علی محمد
الا اللہ وضوئے اسلاتن تضوئے　　　یلام فکضوے یر کمض تضوی
ولوک کرفی فبت محمد　　　صلوۃ صل علی محمد
یایندتوثر نمض ویشر　　　قایمان نیشر کرتض ناش
دائما چلوین نت محمد　　　صلوۃ صل علی محمد
اغکض برکۃ ایدچ رحمۃ　　　تعکضن نعمۃ تننندم جنۃ
چکمضن مصطفیٰ محمد　　　صلوۃ صل علی محمد
احمد نبی اسعد نبی　　　امجد نبی اسید نبی
محمود نبی یا محمد　　　صلوۃ صل علی محمد
قاوبض مسکین فدچمض مسکین　　　کردمض مسکین کتمض مسکین
بھنوثم نبی ننیت محمد　　　صلوۃ صل علی محمد

مطبوعہ رسول ملیی میں صلوٰۃ وسلام: المولی المعارف شہاب الدین شام نینا لبے مدارسی عربوں کی آمد نے نہ صرف تمل ناڈو میں مذہبی، لسانی اور معاشرتی اثرات مرتب کئے بلکہ تصوف وعرفان کی چاشنی سے بھی متعارف کرایا۔ تصوف میں اولاً قادریہ سلسلہ ہی سب سے زیادہ معروف اور مقبول رہا۔ پتہ نہیں کس دور میں تصوف ہندوستان کی سرزمین پر اپنے قدم استوار کئے مگر جہاں تک معلوم ہے کہ پندرھویں صدی کے وسط میں شاہ نعمت اللہ نے قادری سلسلہ کو عوام سے معروف کیا تھا تمل ناڈو میں سب سے زیادہ قادریہ سلسلہ ہی کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ دیگر سلاسل بھی حد تک معروف ومقبول ہوئے۔ یہاں سلسلوں کو ''طریقت'' کا نام دیا جاتا ہے سرندیپ اور تمل ناڈو دونوں میں عوام کا رجحان عرفانیت کی طرف ایک جیسا رہا ہے۔ مختلف سلسلوں کی فہرست حسبِ ذیل

ہے:

۱۔سلسلۂ قادریہ: بانی حضرت شیخ عبدلقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۱۔ ۵۶۲ھ م ۱۱۶۶۔ ۱۰۷۸ء
ہندوستان میں متعارف کرانے والے حضرت سید غوث رحمۃ اللہ علیہ گیلانی
مزید ترویج: شیخ عبدلقادر ثانی اور شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ دہلوی۔

۲۔سلسلۂ شاذلیہ: بانی حضرت شعیب رحمۃ اللہ علیہ ابو مدین المغربی ۵۹۴۔۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء ۱۱۹۷ء
ترویج کرنے والے امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ علی الشاذلی ۵۹۳۔۶۵۶ھ م ۱۲۵۸۔۱۱۰۶ء

۳۔سلسلۂ رفاعیہ: بانی حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ رفاعی ۵۰۰۔۵۷۶ھ م ۱۱۸۲۔۱۱۰۶ء

۴۔سلسلۂ چشتیہ: بانی حضرت ابواسحٰق رحمۃ اللہ علیہ شامی۔
ترویج حضرت خواجہ معین الدین چشتی ۵۳۰۔۶۲۷ھ م ۱۲۲۹۔۱۱۳۵ء

تمل ناڈو مین بعض سلاسل زیادہ معروف ومقبول نہیں ہوئے: مثلاً:

۵۔سلسلۂ نقشبندیہ: بانی حضرت خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبندی ۷۱۷۔۷۹۲ھ م ۱۳۸۹۔۱۳۱۷ء ترویج
حضرت خواجہ باقی باللہ بہ زمانۂ شہنشاہ اکبر
۲۔حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی

۶۔سلسلۂ سہروردیہ: بانی شیخ شہاب الدین سہروردی ۶۳۲۔۵۳۹ھ م ۱۲۳۴۔۱۱۴۴ء

۷۔سلسلۂ مداریہ: بانی حضرت زندہ شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ ۴۴۲۔ھ م ۱۰۵۰ء

۸۔سلسلۂ شطاریہ: بانی حضرت شیخ عبداللہ شطار ۸۱۸ھ م ۱۴۱۵ء
ترویج: ۱۔حضرت محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ۔المتوفی ۹۷۰ھ م ۱۵۶۲ء

۹۔سلسلۂ فردوسیہ: بانی حضرت بدر دین رحمۃ اللہ علیہ سمرقندی
ترویج ۱۔حضرت سیف الدین باخرزی۔ ۲۔حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ منیری
۳۔حضرت شیخ مظفر بلخی

ٹمل ناڈو میں ربیع الاول کے ابتدائی گیارہ دن مسجدوں، خانقاہوں، مدرسوں اور گھروں میں بڑے اہتمام سے جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کا ایک الگ ڈھنگ اپنایا جاتا ہے۔ بعد نماز عشاء مولودخوانی کی محفلیں آراستہ ہوتی ہیں۔ چراغاں کیا جاتا ہے، خوشبوؤں اور پھولوں سے محفلِ میلاد کو

نگہت بار کیا جاتا ہےاور خصوصی طور پر شیرنی کی تقسیم کا اہتمام ہوتا ہے۔ان محفلوں میں ادب واحترام دیکھنے کے لائق ہے۔ شور ہنگاموں اور بے ہودہ بکواس سے احتراز کیا جاتا ہے۔ خوش الحان قصائدخواں طلب کر کے محفل میلاد میں مزید چار چاند لگائے جاتے ہیں۔قصیدوں کے کتابچے ان محفلوں کے لئے خرید کر سالبھر ان کی حفاظت کی جاتی ہے اور حسب ضرورت انہیں نکالا جاتا ہے۔ ان میں عموماً عربی قصائد بہت مقبول ہیں۔تملناڈو کے اکثر و بیشتر قصائد شیخ سعادت اللہ رحمۃ اللہ علیہ اُن کے برادر اور شاگردوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں یا یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا ان کی تصنیف بھی انہیں سے ہوئی ہے۔قدیم عربی قصائد مثلاً بانت سعاد،کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ امام بوصیری وغیرہ کے قصائد پر تضمینیں یہاں کے قصائد کی خصوصیت ہے۔تشطیر، تخمیس، تسبیع، جیسی تین طرح کی تضمینیں یہاں رائج ہیں۔ تضمینیں کرنے والے شاعر کا نام ہمیشہ پردۂ راز میں رکھا جاتا ہے کیونکہ اس میں انھیں شہرت یا نام آوری کی خواہش نہیں ہوتی۔محض ثوابِ دارین حاصل کرنا ہوتا ہے۔تیکا شیب عالم صاحب نے اپنی تصنیف مذکورہ میں تینوں طرح کی تضمینوں کی مثالیں دی ہیں:

تشطیر میں انھوں نے مشہور عرب عب الرحیم البوریصی کے مشہور قصیدہ ایک شعر لیا ہے۔

لذبالا له ولا قلذ بسواه		من لا ذبالملک الجلیل کفاه

تشطیر میں چار مصرعی بند رکھا جاتا ہے۔جس میں صرف دوسرا اور تیسرا مصرعہ تضمین نگار کو کہنا ہوتا ہے پہلے بند کا پہلا اور آخری مصرعہ مستعار شعر کے دو مصرعے ہوتے ہیں۔ یہ ایک رباعی صنف ہے۔

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

لچھمی نرائن شفیقؔ کا معراج نامہ

نعت رسول ﷺ کے ذیل میں واقعۂ معراج پر مثنویات، منظومات، یا اور دیگر اصناف میں شعر گوئی کی روایت قدیم زمانے سے رہی ہے۔عربی فارسی سے زیادہ اردو شاعری میں اس روایت کو بڑا فروغ حاصل ہوا ہے۔چنانچہ ہمارے شعرا نے فرط عقیدت اور عشقِ رسول ﷺ کے نام پر صحیح، ضعیف، موضوع، غریب وغیرا احادیث میں درج واقعاتِ معراج کو اسطوری فکر میں پیش کرنے کے جتن کئے ہیں۔الا ماشاء اللہ بعض ایسے بھی شہ پارے ہیں جن میں وقعات کی صحت کا برابر خیال رکھا گیا ہے۔اردو میں معراج نامے لکھنے کی روایت بھی کافی قدیم ہے۔تاریخی ترتیب میں بلاقی کے معراج نامے کو اولیت کا درجہ دیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ شاد کمالؔ، مختارؔ، باقر آگاہؔ۔ ہاشمیؔ، قربیؔ ضمیرؔ لکھنوی، امینؔ گجراتی وغیرہ شعرا کے معراج نامے اردو ادب میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔

''معراج'' تاریخ اسلام کا اہم واقعہ ہے۔سماجی مقاطعہ، چچا کی موت اور بیوی کی وفات جیسے سانحات سر سے گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی پاک ﷺ کو آسمانوں پر بلا گیا۔ جنت وجہنم کی سیر کرائی گئی۔اس آسمانی سفر کی روداد جن تخلیقات میں بیان کی جاتی ہے انہیں معراج نامہ کہا جاتا ہے۔قرآن حکیم میں معراج کے سفر کا اجالاً تذکرہ ہے لیکن احادیث میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔برق رفتا براق پر سوار ہو کر آپ ﷺ بیت المقدس سے عرش معلیٰ پر جا پہنچے اور تمام آسمانوں کی سیر فرمانے کے بعد مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے۔معراج ناموں میں اسی علوی سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔روایتی انداز میں معراج نامے لکھنے والوں کی طویل فہرست میں شفیقؔ کا اردو معراج نامہ اور غالب کی مثنوی معراج ایسی مثنویاں ہیں جن میں واقعات معراج کو علم نجوم کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔یہ دونوں مثنویاں اپنی نوع کی منفرد ہیں ان میں ایک قسم کی جدت پائی جاتی ہے۔شفیق کا معراج نامہ، غالب کی مثنوی سے اسّی برس قبل لکھا گیا تھا۔شفیقؔ سے قبل اردو میں بلاقیؔ، ہاشمیؔ، نصرتیؔ، اور کمال معراج نامے لکھ چکے تھے مگر غالبؔ اور شفیقؔ کے یہاں جو جدت پائی جاتی ہے وہ ان میں مفقود ہے۔

شفیقؔ نے معراج نامے کی ابتدا روایتی انداز میں کی ہے۔حضرت جبرئیل علوی سفر کی تیاری کے متعلق آپ ﷺ کو خوشخبری سناتے ہیں، ہمارے مثنوی نگار شعرا نے اس واقعے کے ضمن میں

نہایت مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور ایسی شدت اختیار کی ہے کہ شان الوہیت میں استخفاف کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ مگر شفیقؔ نے اس ضمن میں بڑی احتیاطی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ جبرئیل علیہ السلام کی گزارشات کو یوں بیان کرتے ہیں۔

درِ حجرہ پہ دو آ جوڑ کر ہات
کہا سرورترے پر حق کی صلوٰۃ
خدا کی ذات خواہش سے بری ہے
سو اس نے بھی تری خواہش کری ہے
زباں پر قدسیوں کی ہے یہ جدتد
خدا عاشق ہے، شاہد ہے محمد

براق کی تیز رفتاری کے لئے شفیقؔ نے برق جولاں اور تیز تراز خیال وگمان وفکر ووہم جیسی تراکیب استعمال کی ہیں جو روشنی کی رفتار کے ہم پایہ ہوسکتی ہیں۔ بیت اللہ سے بیت المقدس کا سر طے کرنے کے بعد آسمانوں کی سیر شروع ہوتی ہے۔ چونکہ شفیقؔ نے اس علوی سفرنامے کو علم نجوم کے پس منظر میں پیش کیا ہے۔ اس لیے فلک اول کی سفری روداد بیان کرتے وقت شاعر نے اس فلک کے حالات نجوم کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔ نجوم کی رو سے اس فلک کا مالک قمر ہے۔ قمر کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ آپ ﷺ کی فلک اول پر آمد پر قمر، ہلال بن کر سلام کرنے لگا۔ غالبؔ نے اس موقع پر قمر کو ہلال کامل بتایا ہے۔ اس بیان میں دونوں سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ غالب نے معراج کی تاریخ شب، غرہ کو قرار دی ہے۔ جبکہ شفیقؔ نے شب ہلال کو اس واقعہ کے ظہور کا وقت قرار دیا ہے۔ یہ دونوں قمری حالتیں معراج سے لگا نہیں کھاسکتی۔ کتب سیر اور احادیث میں یہ شب ستائیسویں مانی جاتی ہے۔ اور یہ شب نہ بدر کامل کی ہے اور نہ ہلال کی۔ شفیقؔ نے البتہ قمر کی اسلامی اہمیت اور فضیلت کو اس شب سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے چاند کی اسلامی بزرگی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ وہ چاند ہے جو آپ کے اشارے پر دو ٹکڑے ہوا۔ چاند کی فضلیت یہ ہے کہ اسے دیکھ کر روزے رکھے جاتے ہیں اور عید منائی جاتی ہے۔ شفیقؔ کہتے ہیں کہ:

قمر کوں چراغ اول لاکے نزدیک
کہا اس نے کہ کانسے میں ملے بھیک
کہے حضرت مثالِ شمس انور

کئے ماہائے قمری ہم مقرر
برائے معجزہ یہ شق ہوا ہے
ہماری ضرب سینے پرلیا ہے
دلے بخشی ترے تئیں ہم نے عزت
ترے پر منحصر راکھی عبادت
ترے تئیں دیکھ روزے کو دھریں گے
ترے تئیں دیکھ کر عیدیں کریں گے

چاند کی فضلیت کے یہ احوال دیگر نعت گوشعرا نے شاذ ہی بیان کئے ہوں۔مگر غالبؔ کے یہاں ان کا مطلق ذکر نہیں۔

فلک دوم کا مالک عطارد مانا جاتا ہے۔ازروئے نجوم اسے کاتب اورمحرر زمانہ کہا جاتا ہے۔اس نجومی نسبت کو شفیقؔ نے نہایت ماہرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔فلک دوم پر جب آپ ﷺ پہنچتے ہیں تو عطارد سے کہتے ہیں کہ'رسالت تو مجھ پر ختم ہوگئی، وحی کا سلسلہ بھی کچھ دن اور چلے گا۔تیرا کام کتابت اورمحرری ہے۔اس لئے میں تجھے ابدتک کونین کی دفتری سونپتا ہوں'۔

تیسرے آسمان کا حاکم زہرہ ہے علم نجوم کی روسے یہ رقص وموسیقی اورکیف ونشاط کا سیارہ مانا جاتا ہے،سامان موسیقی میں اس کے ہاتھوں میں بربط اوردف دکھائے جاتے ہیں۔اسلام میں موسیقی کی حرمت آئی ہے۔اس لئے حضور ﷺ کی آمد سنتے ہی زہرہ (مؤنث) گھبراجاتی ہے اوران چیزوں کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے تو بربط ٹوٹ جاتی ہے اور چاند کا دف ہاتھ میں رہ جاتا ہے۔شفیقؔ نے دائرۂ قمر کی دف بجاتے اوررقص کرتے ہوئے زہرہ کو دکھایا ہے،ان کے یہاں فلک سوئم کے واقعات کے بیان میں کوئی ندرت ہے نہ شعری حسن۔

چرخ چہارم ازروئے نجوم شمس کا تابع ہے ہندو مذہب میں اس کے تقدس کو مانا گیا ہے مگر شفیقؔ نے فلک چہارم اور شمس کا بیان سرسری طور پر کیا ہے۔وہ اگر چاہتے تو سورج کی فضلیت بیان کرنے کے لئے ہندو اسطور کا سہارا لیتے۔

مریخ فلک پنجم کا حاکم ہے۔وہ جری اورصاحب حشمت مانا جاتا ہے۔شفیقؔ نے مریخ کے سارے دلیرانہ اوصاف کا تذکرہ نہایت مختصر مگر جامع انداز میں کیا ہے۔انہوں نے چرخ ششم ،ہفتم اورہشتم کی نجومی خصوصیات کا زیادہ احاطہ نہیں کیا۔لیکن زحل کے اوصافِ قبیحہ کو بیان کرنے میں منجمانہ

فکر کو بہت برتا ہے۔غالبؔ اور شفیقؔ دونوں نے اسے بدبخت اور روسیہ کہا ہے۔دونوں نے اس کی نسبت ہندوستان ہی سے بتائی ہے۔تمام سیرگان کی سیر کے بعد بروج کی تفصیل بھی بعض معراج ناموں میں پائی جاتی ہے مگر شفیقؔ نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی،۔

فلک نہم فلک الافلاک ہے اور عرش اعظم کا مقام بھی وہی ہے۔شب معراج میں یہ جگہ خلوت گاہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی تھی۔ یہاں کے احوال کا پتہ حبیب ومحبوب کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔اہل تشیع یہاں انگشتری رسول کا ذکر کرتے ہیں اور حضرت محمد وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو برحق جانتے ہیں۔شفیقؔ اگر چہ ہند والمذ ہب تھے مگر شیعہ حکومت میں عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے اس لئے انھوں نے سلاطین حیدرآباد (گولکنڈہ) کی مذہبی حسیت کا بہت زیادہ خیال رکھا معراج نامے کے آخری حصے میں اثناءعشری اعتقاد کا برملا اظہار کیا۔غالبؔ کے یہاں بھی فلک الافلاک کے تذکرے میں شیعت غالب نظر آتی ہے۔ان واقعات کے بیان کے بعد شفیقؔ کے معراج نامے کا اختتام ہو جاتا ہے۔

شفیقؔ کا یہ معراج نامہ اردو شاعری میں اپنی نوع کا اولین نمونہ ہے۔علم نجوم کو بنیاد بنا کر ان سے قبل کسی بھی کوئی تخلیق پیش نہیں کی۔ ہندوستان میں سماوی سفر پر علم نجوم کی روشنی میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب بعد کی تخلیقات ہیں۔اس سے ابا ممکن نہیں۔

ڈاکٹر بی محمد داؤد محسنؔ [1]

نعتیہ شاعری

کلامِ الٰہی اور احادیث نبوی ﷺ دحضور اکرم ﷺ واہم ذرائع ہیں جن پر عمل پیرائی نہایت ضروری ہے اور یہی حاصل زندگی اور باعث نجات بھی ہے۔ قرانِ مجید کو اللہ رب العزت نے انسان کی ہدایت کے لئے حضور اکرم ﷺ کے توسط سے نازل فرمایا اور صاف الفاظ میں بتایا کہ ۔یاایھاالذین اٰمنو اٰمنوا باللّٰہِ والکتٰب الذی نزل علیٰ رسولہٖ۔ (اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول ﷺ پر اتاری) دراصل قرانِ کریم احکامِ خداوندی اور فرامینِ رب العزت کی عبارتوں کا ایک ذخیرہ اور سیرتِ رسول واسوۂ حسنہ اور واقعات وحوادث کا ایک حسین اور دلکش گلدستہ ہے جس کے مضامین وعظ ونصیحت پر مبنی ہیں جو ہدایاتِ انسانی کے لئے ایک نہایت موثر اور دلپذیر ذریعہ ہیں۔ دینِ اسلام کا صحیح تصور اور مفہوم اگر سمجھا جاسکتا ہے تو وہ قرانِ مجید کو حضرت محمد ﷺ سے اور حضرت محمد ﷺ کو قرانِ مجید سے ہی ممکن ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُولاً وَّ كَفٰى بِاللّٰہِ شھیدا ۔ (اور اے محبوب ہم نے تمھیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ) ۔اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو رسول ﷺ بنا کر بھیجنے کی گواہی دے رہا ہے۔جس سے آپ ﷺ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح قرانِ کریم میں جگہ جگہ پر اوصافِ محمد ﷺ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یٰسین، طٰہٰ، فرقان، مدثر، مزمّل جیسے معزز القاب وخطابات سے یاد فرمایا ہے۔ آپ کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے کہیں وَما ارسلنٰكَ اِلاَّ رَحْمَتَ الِلّعاَلَمِینَ کہا تو کہیں وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلاَّ كَافَةَ الِلنّاسَ اور کہیں محمد بشر لا کالبشر یاقوت حجر لا کالحجر (محمد ﷺ بشر ہیں عام بشر نہیں یاقوت پتھر ہے عام پتھر نہیں) کہا گیا۔ اور کہیں وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم (اور بے شک آپ ﷺ کے اخلاق نہایت عالی ہیں) کہا گیا۔ اسی طرح وَرَفَعْنَا

---

[1] { FN 2201 پرنسپال یس۔ کے۔ اے۔ بچ ملّت پری یونیورسٹی کالج داونگرے۔ 577001 (کرناٹک)

لَكَ ذِكْرَكَ ؕ (اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو) کہا گیا۔حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ سیدِ عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آیت کے متعلق حضرتِ جبرئیل سے دریافت فرمایا ۔جواب میں جبرئیل امین نے فرمایا۔''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی ذکر کیا جائے گا۔''

حضرتِ عباس فرماتے ہیں کہ''اذان میں ،تکبیر میں ،تشہد میں ،منبروں پر ،خطبوں میں اگر کوئی اللہ رب العزت کی عبادت کرے ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بے کار ہے''۔

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ تمام ذکر واذکار میں کلمہءطیبہ کے بعد افضل الذکر درودِ پاک ہے جسے جزوِعبادت قرار دیا گیا ہے۔کلامِ پاک میں لفظ'عشق' کا استعمال نہیں ہوا البتہ 'محبت' کا استعمال ضرور ہوا ہے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت افضل ترین شئے کا نام ہے۔دراصل یہی صفتِ کمالِ انسانی بھی ہے اور وصفِ خداوندی بھی ۔یہ وہ پاک وصفِ خاص ہے جوخود خدائے بزرگ و برتر کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکت سے ہے ۔چنانچہ دیکھا جائے تو محبت کی ابتدا خود اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوتی ہے۔اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم پاک جب بھی آئے تو دل وزبان سے بے اختیار درود کے الفاظ خود بخود جاری ہوجاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرانِ پاک میں کئی مقامات پر رحمت اللعالمین کے لقب سے نوازا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھی بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت وثنا اور تعریف وتوصیف بھی بیان کی ۔حضرت موسیٰ کو کلیم کہا اور حضور اکر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حبیب کہا۔کلیم یعنی جو اللہ تعالیٰ سے کلام یا محبت کرے حبیب یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے ۔قرآنِ کریم کی کئی آیات سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت اور مدحت وثنا بیان کرنے والا خود خدائے بزرگ و برتر ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کی تعریف وتوصیف ہی نہیں بیان کی بلکہ ہمارے لئے **واعطی اللہِ و واعطی الرسول** کی شرط بھی رکھی ۔توریت و انجیل میں بھی آپ کا ذکر کیا۔حضرتِ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرتِ عیسیٰؑ تک کے بیشتر انبیاء ومرسلین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تقدس اور عظمت کا اعتراف کیا، بشارت دی اور آپ کی امّت میں ہونے کی خواہش ظاہر کی ۔طلوعِ اسلام کے فوری بعد آپ کی تعریف اور توصیف کے وصف کو صحابۂ کرام نے اپنایا اور اس کو مقصدِ حیات سمجھا۔حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ نے دیدِ رسول ؐ کو عبادت تصور کیا ،حضرتِ ابوبکر صدیق نے اپنے جان و مال کو آپ کی راہ میں لٹانے کو ایمان

سمجھا ،محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے نتیجہ میں حضرتِ عمر فاروقؓ نے ایران پر فتح حاصل کی اور عدل و انصاف قائم کیا،محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے نتیجہ میں حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے درِ خیبر اکھاڑا ، بدر و حنین کے غزوات بھی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا نتیجہ ہیں حضرتِ اویس قرنی نے اپنے دندانِ مبارک بیک وقت نکال کر محبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کا ثبوت دیا اور کئی عاشقان نبی رضی اللہ عنہ نے ان گنت درود شریف لکھ کر اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا۔لیکن قربان جایئے اس درود پر جسے ہم درود تاج کے نام سے جانتے ہیں اور پوری عقیدت اور محبت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت اور عظمت کا اتنا دلکش بیان ہوا ہے جسے بار بار پڑھنے میں لطف اور مزہ آتا ہے۔ ہر ایک مومن اسے ثواب کی نیت سے پڑھتا ہے اور کافی دیر تک قلبی سکون اور اطمینان پاتا ہے اور اپنے آپ خوشی محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو لکھنے کی سعادت بخشی انہوں نے سیرت کے خوشگوار پہلوؤں ،کمالات و معجزات اور دیگر واقعات رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی تحریروں کا جز و بنایا اور اسے معراجِ فن تصور کیا۔ حضرتِ سیدنا حسّان ابن ثابت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا نعت گو شاعر ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے بحیثیتِ شاعر جو بلند مرتبہ حسّان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کونصیب ہوا وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود حسّان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منبر پر بٹھا کر نعت سنانے کی فرمائش کرتے اور صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر حضرتِ سیّدنا حسّان کی زبانی نعتوں کا لطف اٹھاتے حضرتِ سیدنا حسّان کا اندازِ بیان دیکھئے۔

واحسن منک لم ترو قط عینی   و ا جمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب   کانک قد خلقت کما تشاء

’’میری آنکھوں نے کبھی آپ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا،عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ کوئی صاحب جمال نہیں جنا۔آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا۔جیسے آپ اپنی سے پیدا کئے گئے ہوں۔‘‘

یہ بات مشہور ہے کہ سب سے پہلے نعتیہ اشعار حضرتِ ابو طالب نے کہے جو مشرف بہ اسلام نہ ہونے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے تھے۔پہلی وحی کے نزول کی خبر سننے کے بعد حضرتِ خدیجہ نے سب سے پہلے نثر میں نعتیہ الفاظ بیان کئے۔آپ کے حسنِ اخلاق سے کفّار و مشرکین بھی متاثر تھے اور بعض کفّار عقیدت کی ڈور میں کھنچے چلے آتے تھے۔ اعشیٰ ایک کافر شاعر تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے

بے حد متاثر تھا اس نے ایک مرتبہ نعت لکھ کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش کرنے کی کوشش کی، مگر کفّارِ مکہّ نے اسے روک لیا۔

ہجرت کے موقع پر غارِ ثور سے نکلنے کے بعد پہلے دن حضور اکرم ﷺ اپنے غارِ یار سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ امّ معبد کے یہاں پہنچتے ہیں ۔جو ایک معمر اور مہمان نواز خاتون تھی ۔ نبی کریم ﷺ نے کھانے کے لئے کچھ پوچھا ۔اس وقت اس کے یہاں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔آپ ﷺ نے ایک گوشہ میں کمزور اور لاغر بکری دیکھی جس کے تھن سوکھ چکے تھے آپ ﷺ نے اس سے دودھ دوہنے کی اجازت طلب کی ۔امّ معبد نے کہا یہ تو ایک لاغر بکری ہے اور اس سے دودھ آنا محال ہے ۔آپ ﷺ نے ایک برتن طلب کیا اور دودھ دوہنا شروع کیا اتنا دودھ آیا کہ اس سے سب سیراب ہوئے اس کے بعد آپ کا قافلہ وہاں سے رخصت ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی رخصتی کے بعد جب امّ معبد کا شوہر آیا تو اسے ایک عجیب خوشبو نے استعجاب میں ڈال دیا کہ یہاں ضرور کوئی آیا تھا اس نے اپنی بیوی سے دریافت کیا ام معبد نے سارا ماجرا اپنے شوہر کو سنایا۔جس میں حضور اکرم ﷺ کی شبیہ،شکل وشمائل،قد وقامت کردار وگفتار اور سیرت وصورت کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔حضور اکرم ﷺ کی اتنی اچھی تصویر ہمیں سیرت کی بڑی بڑی کتابوں میں بھی ملنا دشوار ہے جو ایک کم علم اور ان پڑھ عورت نے پیش کی ہے۔امّ معبد کا انداز بیان ملاحظہ فرمایئے۔ جسے نثری نعت کا بہترین اور اعلیٰ ترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف اور ثنا خوانی کی بہترین مثال ہے۔

ترجمہ: ’’۔۔۔۔۔۔ میں نے ایک انسان دیکھا، پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال ،زیبا، صاحبِ جمال ،آنکھیں سیاہ وفراخ ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی وشیرینی ، گردن موزوں ، روشن اور چمکتے ہوئے دیدہ ، سرگیں آنکھیں ،باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگریالے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پروقار معلوم ہوتا، جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی جانب کھنچتا ، دور سے دیکھوتو نور کا ٹکڑا،قریب سے دیکھوتو حسن و جمال کا آئینہ، بات میٹھی کہ جیسے موتیوں کی لڑی ،قد نہ ایسا پست کہ کم تر نظر آئے ، نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو، بلکہ ایک شاخ گل ہے، جو شاخوں کے درمیان ہو، زیبندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھی ایسے جو ہمہ وقت ان کے گرد و پیش رہتے ہیں ، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں ، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔مخدوم ومطاع ، نہ کوتاہ سخن اور نہ فضول گو۔۔۔۔۔‘‘

اس زمانے سے لے کر آج تک باقاعدہ طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و شوکت اور عظمت بیان کرنا امّتِ مسلمہ کا اولین فریضہ ہے اور اسے زمزمۂ روح تصور کیا جاتا ہے۔ اردو کے کم و بیش تمام شعراء دیگر اصنافِ سخن پر نعت کو فوقیت دیتے ہیں کیونکہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنے اور نعت کہنے سے قلب کو ایمان اور روح کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

درحقیقت شاعر وہی ہے جس کا تصور و تخیّل بلند اور عظیم ہو اور عظیم شاعری وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت سے متعلق ہو۔ خالص اس نوعیت کی شاعری کا شرف انہیں اصحابِ فن کو نصیب ہوتا ہے جن کا دل عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دھڑکتا ہے اور جن کا قلم عظمتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رقم کرنے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ تب کہیں جا کر نعت کا حق ادا ہوسکتا ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہ صل علیہ و آ لہ

نعت کہنے کے لئے ایمان شرط ہے اور عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ضروری ہے۔ ساتھ ہی خلوص و جذبۂ عقیدت بھی درکار ہے۔ اس کے علاوہ پاک ذہن اور پاک طینیت ضروری ہے نعت کہنے کے لئے اپنے قلب کو منّور اور روشن کرنا ہی نہیں بلکہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تپا کر کندن اور اپنے دل کو مدینہ بنانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر نعت ہوسکتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض حاصل ہوسکتا ہے۔ مثلاً

ان کی محبت میں مجھ کو گالی ملے تب نعت ہو
فاقوں کے مارے پیٹ پر پتھر بندھیں تب نعت ہو
ہاں سر پھٹے ، سینہ چھٹے ، گردن کٹے ، تب نعت ہو
آرام کرسی پر پڑا نعتیں اگر فرماؤں گا
اس بارگاہِ خاص سے کیا فیض آخر پاؤں گا

نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے تقدّس کو برقرار رکھنا ہے۔ نعت کا فن آسان نہیں ہے یہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط سے گذرنے کی مانند ہے۔ جہاں ایک چھوٹی سی لغزش ، خطا اور ایک ہلکا سا لفظ جو مقامِ نبوت اور شانِ رسالت کے خلاف یا منافی ہو یا کم ہو نعت گو کو گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور منافقت کی صف میں کھڑا کر دے گا۔ علاوہ ازیں ذرا سی مبالغہ آرائی بھی نعت گو کو کفر و شرک کا مرتکب بنا دے گی۔ جبکہ حمدیہ شاعری میں ہزار مبالغہ آرائی کی گنجائش ممکن ہے کیونکہ حمدیہ شاعری میں مبالغہ بھی عین حقیقت بن جاتا

ہے۔مگر نعت میں تعریف و توصیفِ محمد ﷺ کے لئے مراتب اور حدود مقرر ہیں۔ ان حدود اور مراتب سے تجاوز کرنا گویا ایمان سے خارج ہونا اور شرک و کفر کا مرتکب ہونا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ: باخدا دیوانہ باشد و با محمد ہوشیار اور یہ بھی کہ: گر فرق مراتب نہ کنی زندیق

نعتیہ شاعری کا شمار عقائد پر مبنی شاعری میں ہوتا ہے۔جس طرح حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف سے عبارت ہے، اسی طرح منقبت بزرگانِ دین سے اظہارِ عقیدت کا نام ہے اور نعت مخصوص ہے حضور ﷺ کی ذات سے ۔ جہاں تک عقیدہ کا سوال ہے اس میں جذبۂ لگاؤ بھی ہوتا ہے اور ایک قسم کا ڈر اور خوف کا خدشہ بھی رہتا ہے اور اس میں اپنی فلاح اور نجات کا پہلو بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔مذہبِ اسلام میں نجات کا تصور آتے ہی شافعِ محشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف ہمارے قلب و ذہن خود بہ خود مائل ہو جاتے ہیں اور لب پر درود کا نذرانہ ہوتا ہے، ذہن گنبدِ خضریٰ کی جانب اور دل میں ایک امنگ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جسے جذبہ عقیدت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی عقیدت کا نتیجہ ہے کہ ہماری نعتیہ شاعری میں مبالغہ عام ہو گیا ہے۔ جہاں عشق کم اور عقیدہ کی بنیاد پر محبت کا پہلو زیادہ موجود ہے۔نعت گوئی میں محبوب کے سامنے محب کی التجا اس کے دل کی آئینہ دار ہوتی ہے اور ہر ایک مسلمان نبی کریم ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ ایمان کی شرط بھی عشقِ رسول ﷺ کی بنیاد پر ہی ہے۔اور ایمان کا تقاضا بھی اللہ پر ،رسولوں پر، فرشتوں پر، کتابوں پر آخرت پر مکمل یقین رکھنا ہی ہے۔ یہی یقین و ایمان اور عقائد کا نتیجہ ہے کہ نعتیہ شاعری کا پلہ حمدیہ شاعری سے بھاری ہے کیونکہ۔۔

بعد از خدائے بزرگ تو ای قصہّ مختصر

دراصل نعت بھی درود ہی کی ایک شکل ہے جس میں عشق و عقیدت اور اطاعت و تسلیم کا رجحان شعری روپ اختیار کر لیتا ہے۔نعتیہ شاعری رسمی شاعری نہیں ہے۔ یہاں ذاتی جذبات و تخیلات کا ہرگز عمل دخل نہیں ہوتا۔نعت کے لئے فنّی مہارت ولیاقت اور قدرت کلام سے کہیں زیادہ مقامِ نبوت کا صحیح عرفان ،عظمتِ نبوت کا سچّا وجدان ،حضور اکرم ﷺ کی شان و شوکت اور عظمت، سیرت کا بھر پور علم ،توحید اور رسالت کے حدود کا لحاظ اور آپ ﷺ سے سچّا عشق اور سچّی عقیدت نہایت ضروری ہے۔مگر یہاں بھی مقام اور مراتبِ الوہیت اور نبوت کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے۔عظمتِ ربوبیت اور عظمتِ نبوت سے واقفیت لازمی ہے۔نعت کے لئے خلوص و عقیدت کے ساتھ ساتھ عشق و اطاعت کا ہونا شرط ہے۔عشق اور عقیدت کے حدود بھی مقرر اور متعین ہیں۔لیکن عشق کی انتہا اور

عشق کا حاصل بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی ذاتِ بابرکت ہے۔

عشق کا حاصل ہے وہ غیر مسلم شعراء کے یہاں بھی نعت میں عشق پایا جاتا ہے۔لیکن یہاں سوال ایمان کا اٹھتا ہے۔ ہمارے ادب میں غیر مسلم شعراء نے بھی نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لکھ کر عشق و عقیدت کا ثبوت دیا ہے۔ ایک غیر مسلم شاعر کالکا پرشادؔ کی نعت میں پایا جانے والا عشق اور عظمت مصطفیٰؐ کا انداز دیکھئے۔

مشرق تا مغرب تھا درہم و دینار
لے کر زمین تا بہ فلک مال کا انبار
دریا سبھی بنے موتی، پارس بنے کوہسار
ایک سمت کھڑے ہوں جو مرے سیدِ ابرار
پوچھے کوئی کالکا پرشاد سے کہ کیا لے
نعلینِ کفِ پائے نبی سر پہ اٹھالے

یہ عشق، یہ جذبہ، یہ خلوص اور یہ محبت ایک غیر مسلم شاعر کے یہاں ملتا ہے جو ایمان کی دلالت کرتا ہے جو ایک مومن کے لئے ضروری ہے۔ یہ جذبہ نعت کے لئے شرط اول ہے جس سے نعت کی عظمت دوبالا ہو جائے گی ورنہ زبانی خرچ اور زبانی ہمدردی اور دکھاوے کی عقیدت ہو گی۔

اُردو زبان میں نعت گوئی کی روایت

از: ڈاکٹر عقیلہ سید غوث
پرنسپل، مہیلہ ودھیالیہ، امباجوگائی (مہاراشٹر)

نعت کے لغوی معنی مدح و ثناء، تعریف وتوصف کے ہیں مجازاً لغت کے معنی، ثناء توصیف حضور محمدؐ کے ہیں۔ حضور سرورِ کائنات کی توصیف وتعریف نظم ونثر دونوں میں ہوتی ہے لیکن منظوم مدحتِ رسول کیلئے نعت عام طور پر غزل کی ہیئت میں لکھی جاتی ہے حالانکہ قدیم شعراء نے نعتیہ قصیدے لکھے ہیں، نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں۔ بحر حال منظوم نعت لکھنے کسی بحر، وزن وآہنگ اور کسی شعری ہیئت کا ہونا لازمی ہے یہ صدیوں پرانی روایت ہے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی حقیقت، شان نبوت، عظمتِ رسالت، مقام ومرتبت، عزت ورفعت اور ان کے اوصاف جمیلہ اور اخلاقِ حسنہ کا ذکر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بار بار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تعظیم وتوقیر کی تاکید کی ہے۔ اطاعت و اتباع کا حکم دیا ہے۔ حدیث قدسی میں دیکھئے کیا کہا گیا ہے۔ ''جب بھی میرا ذکر کیا جائیگا (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے ساتھ تمہارا ذکر ضرور کیا جائیگا۔'' مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل سنتِ الٰہی ہے اور اہل ایمان وتقویٰ کے نزدیک نعت گوئی سعادت عظمیٰ ہے۔

نعت گوئی کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی تاریخ نسل آدم قدیم ہے۔ اہل ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کی تخلیق حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کی۔ خالق کونین نے آسمانی صحائف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار قرآن پاک میں جگہ جگہ کیا گیا ہے۔ تاریخ نگاروں کا کہنا ہے کہ انسانوں میں سب سے پہلے نعت رسول اکرمؐ میں آنحضرتؐ کے چچا مربی ومحسن حضرت ابو طالب نے کہی۔ ان کی نعتیہ اشعار عربی زبان کے ادب میں قیمتی اثاثے کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نعتیہ قصائد لکھے۔ ان کے بعد نعتیہ قصائد عربی زبان میں لکھنے والوں میں اعشیٰ بن زبیر، حسان بن ثابت، ابن رواحہ، ابن مرواسؓ کے نام اہم ہیں۔ ان کے نعتیہ قصائد عربی زبان کی مستند کتابوں میں ملتے ہیں۔ نعت گوئی کی روایت عہد رسالت میں کافی مستحکم ہوچکی تھی چنانچہ سیرت پر لکھی ہوئی تمام کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عربی میں نعت لکھنے والے صحابیوں کی تعداد ۱۶۰ رتھی۔ اور ۱۲ رخواتین صحابیات نے بھی

نعتیہ قصائید لکھے ہیں۔حضور ﷺ نے ان کی سماعت فرمائی ان عظیم ہستیوں کے نعتیہ قصائد اور نعتیہ اشعار عربی زبان وادب کا قیمتی اثاثہ ہیں ان صحابی شعراء شاعرات میں حسان بن ثابت کو نمایاں اور منفرد مقام حاصل تھا۔حضور محمد ﷺ، حضرت حسان بن ثابتؓ کے لئے مسجد نبوی میں بطور خاص ممبر تعمیر کروایا تھا۔ اس پر کھڑے رہکر حضرت حسا بن ثابت مدحت رسول کی سعادت حاصل کرتے تھے اس زمانے میں حضرت حسان بن ثابت کو شاعر رسول کہا جاتا تھا۔ اہل بصیرت اور صوفیائے کرام کا یہ قول بڑا اہم ہے۔ جسے حق تعالیٰ زبان عطا فرمائی اور گویائی کی قوت وقدرت بخشی اسے چاہئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مدحت اور آپ کے دشمنوں کی ہجو اور مذت میں کوتاہی نہ کرے اور یہ بہترین عمل ہے۔(مدارج النبوت) نعت گوئی درحقیقت سرکار تاجدار المدینہ ﷺ کا ایک فیضان ہے۔ ڈاکٹر سید محمد حمید الدین اشرفی کے کہنے کے مطابق گذشتہ چودہ سو سالوں سے لاکھوں شعراء، عربی، فارسی، ترکی، اُردو، اور دنیا کی مختلف زبانوں میں نعت لکھ رہے ہیں۔اس کے باوجود آج بھی ہر نعت گو شاعر کے پاس بے شمار نادر مضامین کی بہتات ہے۔شعرائے کرام کے دل ودماغ میں نئے نئے خیالات کا ہجوم حمد ونعت رسول اکرم ﷺ میں بلاشبہ سرکار دوعالم کا زندہ جاوید معجزہ ہے۔

حضرت مصلیح الدین سعدی فرماتے ہیں۔

> ''سرکار دو عالم ﷺ سے اظہار عقیدت کرنا ہی نعت ہے۔ان کے فیضان کی زیارت بھی نعت ہے اوران کے پیغام کی اشاعت بھی نعت ہے۔آپ ﷺ آئنہ کائنات کے معنی زیر یاب ہیں۔آپ کی تلاش میں رنگ وبو کے قافلے رواں دواں ہیں۔آپ ﷺ کی ذات گرامی اورصفات عالیہ کا کامل احاطہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔''

حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، ان کی اتباع، ان کی محبت، ان کی غلامی اوران سے وفاداری مومن کے ایمان کے لئے شرط اوّل ہے۔ عرفات ذات رسول اللہ ﷺ صرف رسول ﷺ کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سرمحمد اقبال نے بھی اپنے فلسفۂ مرد کامل میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ کوئی انسان حبّ رسول کے بغیر ذات خداوندی کو نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو سمجھنے کیلئے مقام رسالت کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ اس بات کو علامہ اقبال نے اپنی نظم ''مسجدِ قرطبہ'' اور دوسری کی نظمیں میں بیان کیا ہے اور اپنے ایک قطعہ میں اقبال نے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے تعلق سے یہ اظہارِ خیال کیا ہے۔۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے غبارِ راہ

کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ جذب و مستی میں وہی اوّل وہی آخر

وہی فرقاں ، وہی قرآں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

علامہ اقبال نے جواب شکوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کو ایمان کی شرط اوّل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم ہم تیرے ہیں

علامہ اقبال کے کہنے کے مطابق عرفان ذات الٰہی کے لئے لازمی ہے کہ دل میں حب رسول ﷺ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور اطاعت کے بغیر اللہ کی عبادت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس بات کا اظہار قرآن حکیم میں بھی ہوا ہے اور نعت میں حب رسول عربی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ نگاہ عشق مستی میں قرآن پاک بھی ایک نعت رسول ہے۔

اُردو زبان میں نعت عربی و فارسی زبانوں کے ذریعے آئی۔ حضرت عمر فاروق کے عہد میں ہی اشاعت دین کیلئے کئی جاں باز مسلمان ہندوستان آ چکے تھے ان میں صحابی تھے کچھ تابعین اور ان کے بعد صوفیائے کرام مختلف راستوں سے ہندوستان آ چکے تھے اور اشاعت دین کا کام کر رہے تھے۔ ان کے توسط سے عربی نعتیہ قصیدے، فارسی نعتیہ شاعری ہندوستان پہنچ چکی تھی۔ محمد بن قاسم نے جب علاقہ سندھ میں اپنی سلطنت قائم کی تو اس کے ساتھ عربی، ایرانی اور ترکی لوگ آئے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں زبانوں کی شکست و ریخت کا عمل جاری تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ عربی، فارسی، افغانی اور ترکی زبانی یہاں آئیں۔ اس وقت سندھ میں کھڑی بولی، مغربی ہندی، شورسینی ،فراکرت قنوجی اور سندھی زبانیں بولی جاتی تھیں ہندو مسلم جب ایک دوصدی مل جل کر رہے تو دونوں قوموں نے ایک دوسرے کی زبانوں سے استعفادہ حاصل کرنے کا عمل شروع کیا۔ جس کے نتیجے میں ایک زبان عالم وجود میں آئی جسے اُردو کہا گیا۔ اس نئی زبان میں بھی مسلمان، فارسی اور ان کے عہد کے شعراء نے نعتیہ شاعری شروع کر دی تھی اس بات کا ذکر حضرت امیر خسرو نے اپنی کتاب ''خالق باری'' میں لکھا ہے خود امیر خسرو اور ان عہد کے کئی شعراء نے نعتیہ کلام اور نعتیں لکھی ہیں اس کے بعد دکن میں اُردو زبان کو عروج حاصل ہوا اور دکن کے صوفیاء نے نعتیہ عقیدے لکھے اُردو کے سبھی

قدیم شعراء نے بہ نظر سعادت نعتیہ شاعری کی ہے۔ اولین اور متاخرین میں بہت سے شعراء نے تو صرف نعت گوئی میں کمال حاصل کیا تھا۔ امیر خسرو اور سنت کبیر نے ہندوی زبان میں نعتیہ شاعری کی۔ اس کے بعد دکنی زبان ریختہ میں نعت گوئی کو عروج حاصل ہوا اور نعت گوئی کا سلسلہ تب سے اب تک جاری ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ نعت ایک ایسی صنف سخن ہے جو شاعر سے احتیاط کا مطالبہ کرتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار'' اس لئے نعتیہ شاعری کرنا بہت مشکل ہے نعت میں مبالغہ اور حسن تعلیل سبھی شعری صنفوں کو سلیقے سے استعمال کرے جو مشکل ترین کام ہے۔ یہ کام کرنا پل صراط پر سے گزرنے کے برابر ہے۔ ذرا سی لغزش اظہار نعت کے جذبے کو مصیبت میں ڈال سکتی ہے۔ حب الٰہی اور حب رسالت مآب ﷺ میں فرق و امتیاز کو برقرار رکھنا بڑے ضبط و تحمل کا معاملہ ہے۔ کیونکہ عشق الٰہی کے آرزومندوں کیلئے قرآن حکیم میں یہ حکم آیا ہے کہ 'قل ان کنتم تحبون اللہ فا تبعونی یحببکم اللہ "(آل عمران ۳۱) جس کا مطلب خواجہ شوقؔ نے اپنی ایک نعت کے شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

خدا سے عشق فرماتے کہاں جاتا ہے دیوانے
حق آگاہی کی پہلی شرط الفت مصطفی کی ہے

اس فرق کو دل و دماغ میں رکھ کر نعت شریف کا لکھنا ایک آزمائش کا کام ہے۔

ایمان کا حصیار فقط حبِّ نبیؐ ہے
سب اپنے رہنے دو اعمال و عقیدے
رسول پاک پہ ایمان پرزمانہ ہے
خدا کو دیکھ کے کس نے خدا کو مانا ہے

ان باتوں سے یہ ملتا ہے کہ انسان کیلئے لازمی ہے کہ وہ اگر قرب الٰہی کا طلب گار ہے تو اس کے دل میں حبِّ نبیؐ کے نور کا ہونا ضروری ہے۔ خود اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے بے حد محبت فرماتے ہیں قرآن پاک میں جگہ جگہ بار بار اپنے محبوب کی ثنا فرماتے ہیں۔ قرآن اس کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر جسکی ثناء کرے، مخلوق اتنا علم، اتنی نظر، اتنی گہری محبت کہاں سے لائیگی۔ سنت الٰہی کی پیروی میں خلقت بقدر بساط واستطاعت اپنے جذبات واحساسات کو زبان دے رہی ہے۔

تاریخ اسلام و ادب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانے میں شعراء تین گروہوں میں تقسیم رہے ہیں۔ ایک گروہ شعراء کا ایسا ہمیشہ موجود رہا ہے جو نعت و منقبت تو تبرکاً اپنی تخلیقات میں شامل رکھتا ہے۔ دوسرا گروہ صرف مذہبی شاعری کو اپنا مقصود حیات سمجھتا ہے۔ اس گروہ کے شعراء دینی شاعری میں روز و شب مصروف رہتے ہیں۔ تیسرا گروہ شعراء میں ان شعراء کا ہے جو دیگر اصناف سخن کے علاوہ مذہبی شاعری کا بھی ایک مجموعہ رکھتا ہے۔ یہ عمل طلوع اسلام سے لیکر اب تک جاری ہے۔ اس چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والے دیوانوں اور مداحوں کی کمی نہیں رہی۔ ہر قطعہ زمین میں ہر جگہ ہر زمانے میں نعت گو شعراء، بقدر توفیق، بقدر بساط، تسلسل کے ساتھ نعت گوئی کرتے رہے ہیں۔ درحقیقت حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی، جانساری جذبۂ فدائیت، ربط و نسبت، عقائد و ایمان کو تر و تازہ رکھنے کا اہم ترین ذریعہ نعت گوئی ہے، ذکر رسول ہے اور یہ ذکر جاری ہے۔ بالخصوص گذشتہ نصف صدی سے اُردو زبان میں نعتیہ شاعری بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ ہندوستان کی تقریباً سبھی ریاستوں میں نعت گوئی کے طرحی مشاعرے منعقد کئے جا رہے ہیں۔ جن میں ملک کے نامور شعراء طرحی مصرعہ پر نعت کہہ رہے ہیں یہ بڑی خوش آئند بات ہے۔ اُردو زبان میں صدیوں سے مسلمان شعراء نعتیہ قصیدے، نعتیہ نظمیں، نعتیہ اشعار مسلسل کہہ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ غیر مسلم شعراء بھی نعت لکھتے آئے ہیں۔ اس سے ان کی وسیع النظری اور اعلیٰ ظرفی کا پتہ چلتا ہے۔ ہندو شعراء نے بھی انتہائی عقیدے سے نعتیں لکھی ہیں۔ اس سے ہندوستان کی قومی یکجہتی کو طاقت و توانائی ملیگی۔ نعت ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب لانے کا ایک وسیلہ بن چکی ہے۔

نذیرؔ فتح پوری

قاضی رضا محمد

ہمارے محلّے کی مسجد زمینداران میں قاضی رضا محمد امامت فرماتے تھے۔فقیر منش، دنیاواری سے کوئی علاقہ اور رغبت نہیں تھی۔امامت کے فرائض فی سبیل اللہ انجام دیتے تھے۔مسجد درِ دولت بازار کے قریب ایک چھوٹی سی دوکان تھی جہاں تھوڑا بہت خیاطی کا کام کر لیتے تھے باقاعدہ درزی نہیں تھے۔اطراف کے دیہاتوں سے آنے والے جاٹ اور دیگر دیہاتیوں کے کرُتے اور جانگھیے وغیرہ کی سلائی کا کام مل جاتا تھا ان دنوں روپیہ آٹھ آنے کی کمائی بھی بہت ہوا کرتی تھی۔آج جتنی ہے زندگی میں اتنی رونق اور نمائش نہیں تھی۔ بازار کا بھاؤ تاؤ بھی آسمانوں کی بجائے زمین پر ہی رہائش پذیر تھا۔گاؤں والوں کے لیے روزی روٹی کے ذرائع بھی بہت محدود تھے۔قاضی رضا محمد کے دو بیٹے اور غالباً ایک بیٹی تھی۔بڑا بیٹا فخرالدین چھوٹا فریدالدین اور بیٹی کا نام صابرہ تھا۔صابرہ ابھی موجود ہے۔رمضان کے مہینے میں امداد طلب کرنے کے لیے ہر سال پونہ اور ممبئی کا سفر کرتی ہے۔آج وہ پوتوں اور نواسوں والی ہے۔آنکھوں سے کم سجھائی دیتا ہے۔عمر میں مجھ سے چھوٹی ہے لیکن حالات کی ستم ظریفوں نے چہرے کے خدوخال برسوں پہلے ہی کھنڈر بنادیئے تھے، قاضی رضا محمد نے بچوں کی پرورش کے دو راستے اپنا رکھتے تھے۔پہلا تو یہ کہ ہر جمعرات کی شام ان کا بڑا بیٹا فخرالدین محلّہ زمینداران کے پندرہ بیس گھروں میں گھوم پھر کر فاتحہ خوانی کر کے روٹی اور سالن کی فراہمی کرلیا کرتا تھا۔میری معلومات کے مطابق اتنی ساری روٹیاں مل جاتیں جو دھوپ میں سکھا کر گھر میں رکھ لیں جاتیں اور دوسری جمعرات تک سوکھی روٹی پانی یا شوربے میں چور کر پیٹ کی آگ بجھائی جاتی۔قاضی رضا محمد نے کچھ بکریاں بھی پال رکھی تھیں۔خود کے کھانے کے بعد جو سوکھی روٹیاں بچ جاتیں ان سے بکریوں کا پیٹ بھی بھرلیا جاتا اور کبھی کبھار انہی بکریوں کے دودھ میں سوکھی روٹی چور کر کھائی جاتی۔قاضی رضا محمد کے اہلِ خانہ کے لیے یہی نعمت غیر مترقبع تھی۔یہی من سلویٰ تھا۔یہی سوکھی روٹیاں ان کی زندگی کا سہارا تھیں۔وہ بہت ہی صابر وشاکر شخصیت کے مالک تھے۔تہجد گذار تھے۔حصولِ زر کے طمع کی کوئی لکیر ان کی ہتھیلی کی لکیروں میں موجود نہیں تھی۔کپڑا بھی موٹا پہنتے تھے۔

پیروں میں چمڑے کا جوتا ہوتا تھا۔سردیوں میں روئی سے بنی ہوئی جاکیٹ (صدری) پہنتے۔سر پر سفید کپڑے کی ٹوپی۔البتہ جمعہ کے روز رومال باندھتے تھے پان کے شوقین تھے۔پان کی ڈبیہ ہمیشہ کُرتے کی جیب میں رکھتے تھے۔تمبا کو بھی کھاتے تھے جسے الگ سے باندھکر رکھتے تھے۔

جب ان کی زندگی میں ان کے بڑے بیٹے فخر الدین کا انتقال ہوگیا تو کچھ دنوں کے لیے ملول اور دکھی رہے اس کے بعد زندگی معمول پر آ گئی۔ بڑے بھائی کے انتقال کے بعد فاتحہ خوانی کا کام چھوٹے بیٹے فرید الدین نے سنبھال لیا۔لیکن سچ تو یہ ہے کہ دونوں بھائی نہ دین جانتے تھے نہ دنیا۔دونوں ہی بہت بھولے ،بہت سیدھے سادے اور غیر دنیادار تھے۔قاضی صاحب خود بھی عالمِ دین نہیں تھے۔ جمعہ کا خطاب بھی نہیں کر سکتے تھے۔بس خطبات کی کتاب سے کوئی خطبہ پڑھ دیا کرتے۔محلّے میں نکاح خوانی کے فریضے کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی قاضی رضا محمد ہی کی تھی جس کے عوض انھیں سوا سیر شکر اور دوروپے ہدیہ ملتا تھا۔شادیوں کے سیزن میں قاضی صاحب کے گھر میں عید کا سا ماحول ہوتا تھا۔ بالخصوص شکر سے ان کے مرتبان بھر جاتے اور وہ کئی مہینوں تک ''شیر و شکر'' زندگی گذارتے۔

نکاح کے خطبے کے بعد وہ ایک نظم پڑھتے تھے۔جس میں دعائیہ اور ناصحانہ اشعار ہوتے تھے۔بہت ہی سادہ اور شستہ زبان میں نظم تھی۔اس کا ایک شعر مجھے آج بھی یاد ہے۔

ایک سے،دو سے تین سے چار سے
سب کو رکھو پیار سے

میرا نکاح بھی قاضی رضا محمد ہی نے پڑھایا تھا۔

محفل میلاد شریف

قاضی رضا محمد کی آمدنی کا ایک اور بہت ہی مختصر سا ذریعہ تھا۔''میلاد خوانی''ان دنوں محلہ زمیندار ہی میں نہیں بلکہ پورے فتح پور شہر میں''میلاد خوانی'' کا سلسلہ عروج پر تھا۔ہمارے محلّے میں محفلِ میلاد کی کئی پارٹیاں تھیں۔جن میں شفیع پیرجی، یاسین کھٹروشاہ،شفیع ملاجی کا ،صدیق سیاں،اور قاضی عبدالغفور صاحب کے اسمائے گرامی مجھے یاد ہیں۔لیکن قاضی رضا محمد خواتین کی پہلی پسند تھے۔وہ محلّے کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لے کر محفلِ میلاد منعقد کرتے۔ان بچوں میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔''میلادِ اکبر'' کا ایک قصیدہ لوری مجھے بہت پسند تھا۔اپنی باری پر میں یہی قصیدہ پڑھا کرتا تھا۔

لوری

یہ حلیمہ کہہ رہی تھی مرے گلعذار سوجا
ترے جاگنے کے صدقے ،مری جانِ زارسوجا
تجھے دے رہی ہوں لوری، کرتی ہوں پیار سوجا
راتوں کو جاگنا ہے ،مرے ہوشیار سوجا
بنی سعد کا قبیلہ ہوا باغ باغ تجھ سے
مرا دودھ پینے والے،گلِ نو بہار سوجا
مرا دل ہو تجھ پہ واری، مری جان تجھ پہ صدقے
مرے نورِ عین سوجا،مرے شیر خوار سوجا
ہے یہ عین وقتِ راحت ،مرے سینے سے لپٹ جا
آنکھوں میں نیند کا ہے تیرے خمار سوجا
ہے یہ گرمیوں کا موسم، کڑی دھوپ پڑرہی ہے
نہ جا بکریاں چرانے،سوئے کوہسار سوجا
جھولا جھلارہے تھے ،کہہ کہہ کے یہ فرشتے
آرام کر حبیبِ پروردِگار،سوجا
کیا جانے کیا کریں گی، تری شرگیں نگاہیں
ہیں یہ غافلوں کے حق میں،بڑی ہوشیار سوجا
تری چاند سی جبیں پر، مری روح ہو تصدق
تری مست انکھڑیوں پر، مری جا ں نثار ،سوجا
یہ ہے وعدہ اس کا سچا، اللہ بخش دے گا
امّت کے مارے اتنا، نہ ہو بے قرار سوجا
ہو ا ورم پائے شہ پر،تو کہا خدا نے اکبر
ترا اتنا جاگنا ہے ،مجھے نا گوار سوجا

یہ لوری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائی ماں حضرتِ حلیمہ سعدیہ کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

مجھے یاد ہے ان دنوں میں ایک راجستھانی سلام بھی با آواز بلند ترنم میں سنایا کرتا تھا۔

تھارو نبی جی محمد نام
مھارو کرو کبول سلام

اس سلام میں راجستھانی زبان کی حلاوت اور شیرینی اس وقت تو محسوس نہیں ہوتی تھی لیکن آج جب یہ نعت مطالعہ میں آتی ہے تو راجستھانی زبان کی تخلیقی خوبیوں کا اندازہ ہوتا ہے اور اپنے ننھے سے ذہن پر حیرت ہوتی ہے کہ دس سال کی عمر میں ہی یہ غیر محسوس طریقے سے نغمگی اور غنائیت کی طرف مائل ہو چکا تھا۔

قاضی رضا محمد کی محفلِ میلاد پارٹی کا میں بھی خاص ممبر تھا۔درجہ ٔپنجم کے بعد جب میری حصولِ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور میں محنت مزدوری کرنے لگا تو دن بھر بوجھ ڈھونے کے بعد رات میں جاگنا میرے لیے ممکن نہیں رہا۔ میں ایسے میں جب محفلِ میلاد میں شرکت سے غیر حاضر رہنے لگا تو قاضی صاحب میرے ساتھی بچوں کو مجھے بلانے کے لیے کبھی کبھی گھر بھیج دیتے اور لامحالہ مجھے محفلِ میلاد خوانی میں شرکت کے لیے جانا پڑتا۔ میرے پونہ آنے تک میلاد خوانی میں شرکت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

قاضی رضا محمد کے پوتے اِن دنوں مسجد زمینداران میں امامت کا اپنا پشتینی فریضہ انجام دے رہے ہیں انہوں نے مجھے بتایا کہ قاضی صاحب نعتیہ کلام بھی لکھا کرتے تھے۔اور اپنی چند نعتیں محفلِ میلاد میں پیش بھی کیا کرتے تھے۔

☆☆☆

قاضی صاحب خوشخط تھے ،میلاد خوانی کے لیے انہوں نے جو دفتر تیار کر رکھا تھا وہ ان کا اپنا ہی تحریر کردہ تھا۔کالی اور سرخ روشنائی ان کو پسند تھی۔ایک صفحہ پر کچھ اشعار کالی روشنائی سے لکھے ہوئے تھے اور کچھ سرخ روشنائی سے۔

قاضی صاحب نے بہت سے دوہے جوڑ کر ایک حمد یہ قصیدہ مرتب کیا تھا۔ میں اکثر فرمائش کر کے وہ قصیدہ سنتا تھا۔ میں نے یہ دوہا پہلی بار محفلِ میلاد میں قاضی صاحب کی زبانی سنا تھا۔

کاگا سب تن کھائیو، چُن چُن کھائیو ماس
دو نیناں مت کھائیو، پیا ملن کی آس

لا اِللہ لا اِلٰہ اِلّا اللہ
حق لا اِلٰہ اِلّا اللہ
نبی محمد صلی اللہ

یہ دوہا ہندی کی شاعرہ میراں کے نام سے مشہور تھا لیکن اپنی کتاب تاریخ وتذکرۂ فتح پور شیخاواٹی کی تدوین وتصنیف کے وقت میں نے تاریخی شواہد کے ساتھ اسے تاج

کو یتری کا دوہا ثابت کیا ہے۔ یہ تاج فتح پور شیخاواٹی کے نواب فدن خان کی بیٹی تھی اور شہنشاہ اکبر سے بیاہی تھی۔

قاضی صاحب کے قصیدے کا ایک اور دوہا مجھے یاد ہے۔

اٹھ فریدا! بانگ دے اور جھاڑو دے مسیت
تو سوئے رب جاگتا ،کیسے نبھے پریت
اِللہؐ لا اِلٰہ اِلّا اللہ
حق لا اِلٰہ اِلّا اللہ
نبی محمد صلی اللہ

چونکہ اس دوہے میں ''فریدا'' نام کا استعمال ہوا ہے۔ قاضی صاحب کے چھوٹے بیٹے فرید الدین کو ہم سب فریدا یا فرید یہ ہی کہا کرتے تھے۔ قاضی صاحب کے منصب امامت پر متمکن ہونے کی وجہ ذہن میں رکھ کر ہم تمام بچے اس دوہے کی بڑی خوبصورت تشریح کیا کرتے ۔یعنی قاضی صاحب اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہوں'' بیٹے فریدا! صبح جلدی اٹھکر میرے پہنچنے سے پہلے مسجد میں چلا جا۔

جھاڑو دے کر پہلے صفائی کر اور پھر اذان دے۔۔۔۔۔''

اُن دِنوں محلے کے گھر اور آنگنوں میں غربت کا راج تھا۔غریبوں کے گھروں سے قاضی صاحب کو محفلِ میلاد کے عوض نذرانے کے طور پر ایک روپیہ یا سوا روپیہ ملتا تھا۔ امیر لوگ دل بڑا کر کے بڑی عقیدت کے ساتھ دو روپیہ کا نوٹ پیش کرتے جس کا لال رنگ تھا۔ میرا مشاہدہ اس وقت بھی تیز تھا۔ میں نے دیکھا کہ جب بھی محفلِ میلاد کے بعد نذرانہ پیش کیا جاتا قاضی صاحب بند مٹھی میں اسے قبول کرتے اور خاموشی سے جاکیٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیتے ۔جیسے وہ ایک یا دو روپیہ

کا نوٹ نہ ہو بلکہ دنیا جہان کی دولت ہو۔اور سچ بھی ہے یہی روپیہ دوروپیہ کا نوٹ ان کے لیے دنیا جہاں کی دولت سے کسی طرح کم نہ تھا۔دنیا میں ایسی ہی شخصیتیں ہوتی ہیں جن پر قناعت ناز کرتی ہے۔فقرو فاقہ جن کی دہلیز پر ناگ رگڑتا ہےاور اطمینان ،سکون اورطمانیت جن کے چہرے کا طواف کرتے رہتے ہیں۔

اکثر شادی کے گھروں میں رتجگے میں محفل میلاد کا اہتمام کیا جاتا۔ایسے موقع کی مناسبت سے قاضی صاحب حضور نبی کریمؐ کی شادی کا منظوم احوال بہت لطف لے کر پیش کرتے۔بطورِخاص خواتین اس خمسے کو بہت پسند کرتیں۔ بہت ہی رواں اورخوصورت اسلوب میں یہ خمسہ لکھا گیا تھا۔ معلوم نہیں کس شاعر کی کاوش تھی۔اس وقت فتح پور جیسے پس ماندہ گاؤں میں جہاں نہ کوئی کتاب تھی نہ ترسیل وابلاغ کا کوئی ذریعہ۔قاضی صاحب نے ایسا نایاب نعتیہ کلام کیسے مہیہ کرلیا تھا۔

☆☆☆

قاضی صاحب کی زبانی ایک اور نظم ’’پپیہا‘‘ بھی سنی تھی۔بہت سوز،اوردرد،تھا کلام میں بھی اورآواز میں بھی۔ جب برسوں بعد دیوان حاجی نجم الدین مطالعہ میں آیا تب معلوم ہوا کہ یہ صوفیانہ کلام حاجی نجم الدین چشتی فتح پوری کا ہے۔ یہ آپ کے ہندوی کلام میں ’’مخمس در ملار‘‘ کے عنوان سے شامل ہے۔دو بند ملاحظہ کریں۔

پھر بھی تو ذرابول سنا پاپی پپیہا
جوں نام پہ پی کے کروں قرباں مرا جیاّ
کرتا ہے جوتو درد سے ہردم پیا پیا
پیارا لگے ہے مجھ کو ،ہونس آوے ہے،ہیاّ
صدقے ترے ہوجاؤں میں اے پی کے بُلیّا
پھر بھی تو ذرا بول سنا پاپی پپیہا
بیکل ہوں کھڑا یار کے دیدار بنا اب
برسات بھی اچھی نہ لگے یار بنا اب
بجلی بھی ڈراوے ہے یہ دلدار بنا اب
اور کاری گھٹا مارے ہے تلور بنا اب

بادل کی گرج سن کے پھٹے ہے مرا ہیّا
پھر بھی تو ذرا بول سنا پاپی پپیہا

خواجہ نجم الدین ہارونی نے اپنے پیر خواجہ عثمان ہارونیؒ کی یاد میں یہ خمسہ لکھا تھا۔جس میں اپنے پیر کی رفاقت سے محرومی کا درد ایک ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح موجود ہے۔درد سے درد جب مل جاتا ہے تو دل کے سمندر میں کرب کا طوفان اٹھا دیتا ہے۔ایسی ہی کیفیت اس خمسے کو سن کر ہوتی تھی۔

دو رکعت کے امام:۔

تقریباً ۳۰۔۳۵ سال پہلے ایک بار قاضی رضا محمد پونہ بھی تشریف لائے تھے۔میں نے جب ایروڈا کی جامع مسجد کے چبوترے پر بعد نماز عشا ان کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پہلے تو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا،۔ایک ایسا شخص جس نے زندگی بھر فتح پور کی زمین نہیں چھوڑی ریل اور بسوں کے سفر سے قطعی ناواقف۔وہ اتنی دور دراز کا سفر طے کر کے پونہ کیسے آ گیا۔میں نے سلام کر کے خیریت معلوم کی۔اور بڑے احترام سے ان کے برابر چبوترے پر بیٹھ گیا۔میں نے دیکھا وہ بہت مایوس تھے۔ان کا چہرا بجھا بجھا سا تھا۔جو طمانیت میں نے ان کے چہرے پر بچپن میں دیکھی تھی اس کا عشرِ عشیر بھی اب موجود نہیں تھا۔میں نے پونہ آنے کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ شدید مالی بحران سے دوچار ہیں۔شاید گھر میں کسی کی شادی ہے۔ان کو پیسے کی سخت ضرورت ہے۔چونکہ یہاں پونہ میں محلّہ زمینداران کے بہت سے لوگ آباد ہیں ان سے مدد کی تمنا لے کر وہ پونہ حاضر ہوئے ہیں۔میں نے پوچھا،کیا آپ کو امامت کے عوض مشاہرہ نہیں ملتا۔کہنے لگے۔''ایک پیسہ بھی نہیں۔نہ میں نے کبھی مطالبہ کیا نہ کسی نے مجھے کبھی کچھ دیا۔'' مجھے واقعی حیرت ہوئی۔کیا کمی تھی قوم کے پاس،یہ جو قوموں کی امامت کرنے والی قوم ہے آج اپنے امام کے گھر کے چار افراد کا خرچ بھی پورا نہیں کرسکتی۔شاید اسی لیے اماموں کی حالتِ زار دیکھ کر علامہ اقبال کو یہ کہنے کا موقع مل گیا تھا۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں گے یہ دو رکعت کے امام

ان دو رکعت کے اماموں کو قوم نے بھی کہاں سمجھا ہے۔امام بستی میں سب سے زیادہ امیر ہونا چاہیے تو وہ سب سے زیادہ غریب ہوتا ہے۔امام کا گھر بستی میں سب سے اچھا ہونا چاہیے تو حالت یہ ہے کہ اماموں کے لیے مسجد کے حجروں سے آ گے کوئی جائے سکونت نہیں۔جس دن امامت

سے ہٹادیا گیا اس دن حجرہ کے دروازے پر بھی تالا لگادیا گیا۔ اب جب تک دوسری مسجد اور دوسرا حجرہ نہیں ملتا۔ یہ دو رکعت کا امام کیا کرے۔ خانہ بدوش، خرقہ بدوش، اثاثہ بدوش، بیوی، بچے، کہاں جائیں۔ کیا کریں کیا نہ کریں۔

قاضی رضا محمد کا انتقال کب ہوا۔ مجھے یاد نہیں۔ یہ خرقہ پوش کب زمین کا پیوند ہوا۔ اس کی آخری آرام گاہ فتح پور کے کس قبرستان میں ہے۔ اس کی قبر پر کتبہ ہے یا نہیں۔

اس کے ایصالِ ثواب کے لیے محفلِ میلاد سجانے والا کون ہے؟ محلہ زمینداران میں اب بہت کم لوگ ایسے رہ گئے جن کو قاضی رضا محمد کا نام یاد ہے۔ ان کا چہرا، ان کا لباس، ان کی شخصیت، ان کا فقر، ان کی طمانیت اور ان کا تدبر اب کسی کو یاد نہیں۔ اسلامیہ اسکول عید کی دیوار کے سائے میں مدنی مسجد کے سامنے پچاس سال پہلے انہوں نے زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا خرید کر دو ایک مکان بنا لیے تھے۔ جب وہ نماز پڑھانے کے لیے اپنے گھر سے نکل کر محلہ زمینداران کی مسجد کی طرف جاتے تو کبھی کبھی میرے گھر کے سامنے سے ان کا

☆☆☆

گزر ہوتا۔ گلیوں میں کھیلتے ہوئے بچے جب انھیں دیکھتے تو کھیل چھوڑ کر ان کے سامنے پہنچ جاتے اور بچے اپنے اپنے سر پر ان سے ہاتھ پھراتے۔ وہ چونکہ شہر قاضی کے منصب پر بھی فائز تھے اس لیے عید گاہ میں دونوں عیدوں کی نماز کی امامت کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد تھی۔ عیدین کی نماز کے بعد وہ ایک گھوڑے پر جلوس کی شکل میں نکلتے اور پورے محلے

کا چکر لگاتے۔ رستے میں جو بھی ملتا ان سے مصافحہ کرتا۔ دعائیں لیتا، محلے کی عورتیں بھی اپنے گھر کی دہلیز پر کھڑی ہو کر راجا قاضی'' کے اس جلوس کی زیارت کرنا باعثِ ثواب سمجھتیں تھیں۔ جی ہاں۔ میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا تھا کہ وہ ''راجا قاضی'' کے نام سے مشہور تھے۔ آج بھی جو گنے چنے لوگ انہیں یاد کرتے ہیں وہ ''راجا قاضی'' ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

پونہ آنے کے بعد جب میرے دل میں شعر گوئی کی کونپل پھوٹی اور میں شاعری کی زلفِ گراہ گیر کا اسیر ہوا اور شعر و سخن کی دنیا میں قدم رکھا تو میں نے محسوس کیا کہ بچپن کی محفلِ میلاد میں سنے اور پڑھے گئے نعتیہ کلام کی برکتوں نے بھی میرے تخلیقی ذہن کو متاثر کیا اور میں تخلیقی طور پر شعر گوئی کی بے پناہ نعمتوں سے مالا مال ہو کر سرفراز ہوا۔

☆☆☆

مجھے آج بھی اکثر قاضی رضا محمد کی یاد آتی ہے۔ میں فتح پور جانے کے بعد جب بھی مسجد زمینداران میں نماز کی ادائیگی کے لیے جاتا ہوں پچاس سال پہلے کے مسجد کے محراب و ممبر میری نظروں میں اُبھر آتے ہیں اور مصلّے پر قاضی رضا محمد کی موجودگی کا احساس ذہن کے پردوں پر نمایاں طور سے ابھر آتا ہے۔ لیکن اب یہ محض خیال و خواب کی باتیں ہیں۔ حال کے جھرونکے سے جھانکتی ماضی کی تصویریں ہیں یا پھر محض اپنے تصور کی پرواز کا ماحصل۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو دنیا سے چلے جاتے ہیں وہ لوٹ کر نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ قاضی رضا محمد کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔۔

☆☆☆

ڈاکٹر سید تقی عابدی (کناڈا)

سر سیّد کی واحد فارسی نعت

سر سید احمد خان کو رسول اکرم ﷺ سے سچی اور خاص محبت تھی جس کا ذکر انھوں نے اپنی تحریروں میں جابجا کیا ہے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت لکھنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ اسی لئے وہ سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد ﷺ۔'' کا جواب لکھنے کی تیاری میں مصروف تھے چنانچہ اپنے ایک خط جو سید مھدی علی خان کے نام ہے لکھتے ہیں۔'' میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھی جائے، اگر تمام روپیہ خرچ ہو جاوے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاوں تو بلا سے، قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاوں گا اُس فقیر مکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو، مارا ہمیں نغمہ شاہشناسی بس ست۔''

> مولانا الطاف حسین حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں''
> منشی سراج الدین نواب انتصار جنگ سے روایت کرتے ہیں کہ''سر سید صاحب کے کفر کا فتویٰ جو مولوی امداد العلی نے علما کے پاس مہر و دستخط کے لیے بھیجا تھا۔ جب وہ مولوی سراج احمد سنبھلی کے پاس پہنچا تو انھوں نے اُس کو پڑھ کر یہ کہا کہ'' میں اس شخص کی نسبت کفر کے فتوے پر کیوں کر دستخط کرسکتا ہوں جس کو میں نے اپنی آنکھ سے آنحضرت ﷺ کے ذکر پر چشم پُر آب اور زار زار روتے دیکھا ہے۔''

سر سید کی کچھ فارسی غزلیں اور مفرد اشعار کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ سر سید آہی تخلّص کرتے تھے۔ سر سید کی شاعری پر حالی نے کچھ زیادہ نہیں لکھا بلکہ ان کی تفسیر میں جو فارسی نعت تھی اس کے صرف دو شعر بغیر ترجمہ کے پیش کئے۔ ہم اس مقام پر پوری فارسی نعت ترجمے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

۱۔فلاطون طفلکی باشد بہ یونانی کہ من دارم
(میری مملکت یونان کا افلاطون ایک طفل ہے یعنی اسکی حیثیت ایک بچے کی ہے)
مسیحارشک می دارد بہ درمانی کہ من دارم
(میرے پاس جو مجرب نسخہ اور علاج ہے اُس پر مسیحا بھی رشک کرتا ہے)
۲۔زکفرمن چہ می خواہی زایمانم چہ می پُرسی
(تم میرے کفر سے کیا چاہتے ہو اور میرے ایمان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟)
ھمان یک جلوۂ عشق است ایمانی کہ من دارم
(میرا ایمان تو تمام صرف ایک عشق کا جلوہ ہے)
۳۔خدادارم دل بریاں زعشق مصطفی دارم
(میں خدا رکھتا ہوں اور عشق مصطفیؐ سے گداز دل رکھتا ہوں)
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانی کہ من دارم
(جو ساز و سامان اور سرمایہ محبت جو میرے پاس ہے وہ کوئی کافر نہیں رکھتا)
۴۔زجبریل امین قرآن بہ پیغامی نمی خواھم
(میں جبریل سے قرآن کا پیغام سننا نہیں چاہتا)
ھم گفتار معشوق است قرآنی کہ من دارم
(میرے پاس جو قرآن ہے وہ تو میرے محبوب کی زبانی ادا ہوا ہے)
۵۔فلک یک مطلع خورشید دارد باہمہ شوکت
(آسمان اتنی عظمت رکھتے ہوئے صرف ایک آفتاب کا مالک ہے)
ہزارن ایں چنین دارد گریبانی کہ من دارم
(میرا گریبان میں تو اس طرح کے ہزاروں خورشید موجود ہیں)
۶۔زبرھان تابہ ایمان سنگ ہا دارد رہِ واعظ
(واعظ کی تعلیمات کا راستہ دلیل سے ایمان تک سنگلاخ اور سخت ہے)
ندارد ہیچ واعظ ھمچو برھانی کہ من دارم
(میرے پاس جو دلیلیں ہیں وہ کسی بھی واعظ کے پاس نہیں)

نقد و نظر

رشحت قلمی

شمارہ نمبر سات میں شائع ہونے والے مضمون

''اردو حمد کا ارتقا'' پر ایک نظر

''جہانِ نعت'' کے حمد و مناجات نمبر (شمارہ ۷) کا مطالعہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔خوشی اس بات کی ہے کہ حمد و نعت کے حوالے سے ایک اور جریدہ منظرِ عام پر آیا۔یقینا جیسے جیسے وقت گزرے گا اس کا وقیع مقام بھی بنتا جائے گا۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرما دے کہ یہ پرچہ ماہانہ بنیادوں پر شائع ہونے لگے۔''جہانِ نعت'' نے بھی اگر روایتی بنیادوں پر ہی کام کرنا ہے تو کارپردازانِ ''جہانِ نعت'' کی اپنی مرضی۔لیکن اگر ''جہانِ نعت'' ہجوم سے الگ نظر آنا چاہتا ہے تو اسے بہت سارا کام روایتی بنیادوں سے بالکل ہٹ کے کرنا پڑے گا۔نیا کام کرنے کے لیے کچھ نئے ''معمار'' ڈھونڈنے پڑیں گے اور کچھ نئے تخلیق کار تیار بھی کرنے پڑیں گے۔بے مقصد امیجری سے بچنا بھی پڑے گا۔یہ کام مشکل تو ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔اور یہی کرنے کا کام ہے کہ مشکل کو ممکن کر دکھایا جائے۔

میں نے ''جہانِ نعت'' شمارہ سات کے مندرجات کم و بیش توجہ سے پڑھے۔کچھ سیکھا اور کچھ سمجھنے کی کوشش کی۔میری گفتگو اسی مقام پر ختم ہو جاتی۔لیکن ایک مضمون نے مجھے پکڑ لیا۔حمد و نعت کے ایک طالبِ علم اور قاری ہونے کی حیثیت سے میرے لیے ممکن نہیں رہا کہ میں اس ''مضمون'' پر گفتگو کیے بغیر گزر جاؤں۔معزز مضمون نگار سے مجھے کسی بھی قسم کی کوئی پرخاش نہیں۔اسی لیے میں اپنی تمام تر گفتگو میں ان کا نام نہیں لوں گا۔کیونکہ مجھے ان کی تحریر پر گفتگو کرنی ہے اس لیے میں ان

کی تحریر پر ہی رہوں گا۔ میرا مقصد تحریر سے ہے شخصیت سے نہیں۔ اگر یہ تحریر حمد و نعت یا کسی بھی مذہبی حوالے سے نہ ہوتی تو مجھے اس پر کسی گفتگو کی کوئی ضرورت بھی نہ ہوتی۔

میرے زیرِ گفتگو مضمون کا عنوان ''اردو حمد کا ارتقا'' ہے۔ عنوان سے پتا چلتا ہے کہ مضمون پی ایچ ڈی کے کسی مقالے کا ایک باب ہے۔ لیکن جب میں اس مضمون کے مطالعے پر آیا تو کم و بیش نو صفحات تک کی تحریر کا عنوان سے کوئی تعلق نظر نہیں آیا۔ نو صفحات کے بعد سے مضمون اپنے عنوان سے جڑنا شروع ہوا۔ کاش کہ یہ مضمون یہیں سے شروع ہوتا تو اپنے اختتام تک ایک کامیاب مضمون ہوتا۔ بشرطیکہ اس کے ماہرین اس سے متفق ہوتے۔ (میرا یہ موضوع نہیں ہے) یا کاش ایسا ہوتا کہ مضمون کے ابتدائی نو صفحات اشاعت سے روک دیئے گئے ہوتے۔

معزز مضمون نگار کا زیرِ بحث مضمون نہایت مضطرب ہے۔ کتنی ہی باتیں اس مضمون میں قرآن اور حدیث کا نام لے کر ایسی لکھی گئی ہیں جو صرف اور صرف مضمون نگار کے اپنے تخیل کا نتیجہ ہیں حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ معزز مضمون نگار نے جو آیاتِ قرآنی پیش کی ہیں ان کے بارے میں یہ بھی نہیں لکھا کہ ان آیات کا ترجمہ انہوں نے کس ''ترجمے'' سے اٹھایا ہے۔ یقیناً معزز مضمون نگار کا اپنا ترجمہ تو ہے نہیں۔ بعض جگہ آیاتِ قرآنی بے محل بھی ہیں۔ جن کا سیاق سباق سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ معزز مضمون نگار کیونکہ حمد باری تعالیٰ سے وابستہ ہیں حمد باری تعالیٰ پر کام کر رہے ہیں جس پر یقیناً وہ مبارک باد اور تحسین کے مستحق ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کام کی اہمیت دو چند کرنے کے لیے، اور اس لیے کہ شعراء ضرور حمد کہیں، کتنی ہی باتیں ایسی لکھ ڈالی ہیں جو کسی بھی علمی خانے میں نہیں رکھی جاسکتیں۔ میں ان کے لکھے ہوئے چند مکالمے پیش کرتا ہوں۔ جن کی انہیں دلیل دینی چاہیے تھی۔ لیکن انہوں نے ایک کی بھی دلیل نہیں دی۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

''خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں مختلف مقامات پر حمد ''کہنے'' کا حکم دیا ہے''۔

ہمارے معزز مضمون نگار کو چاہیے تھا کہ یہاں کم از کم ایک آیتِ مبارکہ دلیل میں ضرور لکھتے اس حوالے سے ان کے پاس غالباً ایک سے زیادہ تعداد میں آیات موجود ہیں لیکن انہوں نے ایک آیت بھی نہیں لکھی۔ ان کے مضمون کا قاری وہ آیات یا آیت کیسے تلاش کرے گا۔

انہوں نے لکھا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قلب و ذہن کو کسی بھی لمحے اللہ کی حمد سے غافل نہیں کیا''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات، سیرت کی کتب کے علاوہ علیحدہ سے بھی ان خطبات کے مجموعے کتابی صورت میں ملتے ہیں۔ سیرت پاک کے کئی طلبا نے تو ''خطبات نبوی'' (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پی ایچ ڈی کے مقالے بھی لکھے ہیں۔ معزز مضمون نگار کو چاہیے تھا کہ خطبات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات کی دلیل پر کم از کم ایک ہی حوالہ دیتے۔

آپ لکھتے ہیں:

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کو بھی حمد باری کی اکثر وبیشتر تلقین فرمایا کرتے''۔

یہاں بھی انہیں کم از کم ایک حدیث دلیل میں ضرور دینی تھی تا کہ قائم کی ہوئی بات مصدقہ ہو جاتی۔ لیکن یہاں بھی ایسا نہیں ہوا۔

وہ مزید لکھتے ہیں، کہ:

''احادیث شریف میں بھی جا بجا انتہائی اہتمام سے حمد باری کا تذکرہ ملتا ہے''۔

اس کا مطلب ہے کہ اس حوالے سے بھی ان کے مطالعے میں ایک سے زیادہ احادیث رہی ہیں لیکن یہاں بھی انہوں ایک بھی حدیث کا حوالہ دینا پسند نہیں کیا۔

حمد باری تعالیٰ کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

''یہ ایک ایسا لازمی فریضہ ہے جس سے غفلت برتنے میں خسارہ ہے''۔

یقیناً اس حوالے سے بھی ان کے پاس قرآنی آیت یا احادیث پاک ضرور ہوں گی کیونکہ ''خسارہ ہے'' یا ''سعادت ہے'' جیسے احکام قرآن یا حدیث ہی سے ثابت ہوتے ہیں۔ جب ہی انہوں نے یہ بات لکھی ہے۔ لیکن انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

ان کے اسی قسم کے چند اور نکات سخت محلِ گفتگو ہیں جو بغیر دلیل محض تخیل کے زور پر لکھ دیے گئے ہیں۔ دراصل وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ تمام باتیں ''حمد'' کے نام پر ہیں اور ان کے پڑھنے والے عام قسم کے لوگ ہیں ان سے اختلاف کر کے کون اپنا ''ایمان'' خراب کرنے کی کوشش کرے گا لہٰذا لکھنے میں کوئی ہرج نہیں سو وہ لکھ گئے۔ چند اور نکات بھی ملاحظہ کیجیے:

''حمد! اعترافِ عبدیت کا اعتراف ہے''۔

اگر یہ بات یوں ہوتی تو طریقے کی ہوتی اور بلا دلیل بھی کھپ جاتی کہ ''حمد! اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا اعتراف ہے''۔

''حمد! اللہ جلِ شانہ کی یکتائی اور وحدانیت کا اعلان ہے''۔

اللہ جل شانہ کی وحدانیت اور یکتائی کا اعلان تو ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔

''حمد! عبادت بھی ہے اور شانِ عبادت بھی''۔

''حمد عبادت بھی ہے'' یہ تو درست ہے لیکن ''شانِ عبادت بھی'' کے لیے تو دلیل چاہیے۔ غور کیجیے جب کوئی غیر مسلم ایمان لاتا ہے اور مسلمان ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے کلمۂ طیبہ پڑھوایا جاتا ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ ''کہو'' الحمد للہ رب العالمین''۔ ہاں جب وہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتا ہے تو اس نعمت کے حاصل ہوجانے کے شکر میں کہہ سکتا ہے ''الحمد للہ رب العالمین''۔ یعنی اللہ کی حمد کرسکتا ہے۔

''حمد تمام عبادات میں افضل ترین عبادت ہے''۔

معزز مضمون نگار اس کے جواز میں کوئی آیت، کوئی حدیث یا کم از کم فقہا کا کوئی حکم ہی پیش کریں۔ ہمارے مضمون نگار نے اگر بغور صرف مشکواۃ شریف کا ہی مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں پتا ہوتا کہ وہ کون کون سے اعمال ہیں جن کو حدیث شریف میں ''افضلیت'' کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ طوالت کی وجہ سے میں اس بحث کو یہیں موقوف کررہا ہوں۔

''ادب ہی نہیں بلکہ روحِ ادب ہے''۔

معزز مضمون نگار کیوں کہ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مناقب سے منسلک ہیں اس لیے ادب کے دیگر تمام موضوعات کو نہ صرف قابلِ گردن زنی بلکہ ارزل ترین گمراہیت سمجھتے ہیں۔ اس لیے اس قسم کی بات کا ان کے قلم سے نکل جانا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔ اس قسم کی سوچ رکھنے والا ایک حلقہ ہمارے یہاں موجود ہے۔ اگرچہ وہ انگلیوں پر گنے جانے والے لوگ ہیں۔

''اردو ادب میں مستقل ایک صنف ہے''۔

ہمارے معزز مضمون نگار ''صنف'' اور ''موضوع'' میں فرق سے بھی نابلد ہیں۔ حمد باری تعالیٰ ادبی اصناف کی صنف نہیں بلکہ اصنافِ ادب کا ایک ''موضوع'' ہے۔ اصناف تو قصیدہ، مثنوی، غزل، نظم، مسدس، مخمس، مربع، ثلاثی، رباعی، قطعہ، ہائیکو، سانیٹ، دوہے، تروینی وغیرہ وغیرہ ہیں۔ حمد، نعت، منقبت، مرثیہ، سہرا، رخصتی، تحسین و تبریک، وغیرہ ادب کے موضوعات ہیں۔ ان موضوعات کے تحت اشعار جن اصناف میں چاہیں کہہ لیے جائیں۔ کوئی پابندی نہیں۔

معزز مضمون نگار نے ایک مقام پر ایک بات لکھی ہے اور اس کی دلیل میں ایک قرآنی آیت پیش کی ہے (وہ بھی بغیر حوالہ) میں دونوں چیزیں پیش کررہا ہوں ذرا غور کیجیے کیا دونوں چیزیں آپس

میں کوئی معمولی سا بھی ربط رکھتی ہیں۔اگر دین کا کام کرنے والے اسی طرح سارے دین کی تشریح اور توضیح کرتے تو آج نہ جانے دین کی کیا صورت ہوتی۔ملاحظہ کیجیے: وہ لکھتے ہیں:

''حمد باری نہ صرف ایک عظیم الشان موضوع ہے بلکہ ایک اہم ترین فریضہ بھی۔اس میں ان گنت پہلو ایسے ہیں جن پر شعراء اور شاعرات اور اہلِ قلم اپنی فکری کاوشوں کو استعمال کر کے اللہ رب العزت کی رضا حاصل کر سکتے ہیں''۔اب وہ یہاں پر آیت پیش کرتے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''اے ایمان والو!تم دینِ خدا کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے اندر ثابت قدمی اور مضبوطی پیدا کر دے گا''۔

آیئے !اس آیت کا حوالہ اور شرح دیکھتے ہیں کیا اس آیت کا پس منظر یہی ہے جو ہمارے معزز مضمون نگار نے بیان کیا ہے۔حالانکہ آیت مبارکہ کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ آیت جہاد کے حوالے سے ہے۔پہلے تفسیر ضیاء القرآن سے اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے پھر اس کی تفسیر۔یہ آیت سورہ ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ساتویں آیت ہے، جو پارہ نمبر چھبیس میں ہے۔کسی بھی ترجمہ یا تفسیر میں الفاظ متبادل یا آگے پیچھے ہو سکتے ہیں لیکن آپ کو متن یہی ملے گا۔

> ترجمہ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین کی) مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدانِ جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا''۔(ضیاء القرآن/ جلد چہارم/صفحہ ۵۰۸)

تفسیر''دین اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کو اللہ تعالیٰ کی امداد فرمایا گیا ہے۔جان کی بازی لگانے والوں کے لیے اس سے بڑھ کر مژدہ کیا ہو سکتا ہے۔وہ مجاہد، نصرتِ الٰہی جن کی پشت پناہی کر رہی ہو، ہر نازک مرحلے پر تائیدِ ایزدی جن کے دلوں کی ڈھارس ہو، دشمن کا کوئی طوفانی حملہ ان کے قدموں میں لغزش نہ پیدا کر سکے، تو ایسے جاں باز مجاہدوں کو دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔شرط یہ ہے کہ یہ جنگ، وہ دنیاوی مفادات کے لیے نہ کر رہے ہوں، یہ خونریزی کسی حقیر مقصد کے لیے نہ ہو محض اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے ہو، اور دینِ حق کو غالب کرنے کے لیے ہو''۔(ایضاً)

آگے ہمارے معزز مضمون نگار لکھتے ہیں:

''حمد کی فضیلت کا اندازہ یوں لگایئے کہ کفار مکہ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

کہا جا رہا ہے کہ ’’اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنے اللہ کی حمد چھوڑ دو (معاذ اللہ) ہم تمہیں ہیرے، جواہرات کی دولت ہی نہیں بلکہ تمہاری ہر خواہش پوری کریں گے‘‘۔ مگر رحمت للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کے عیش وعشرت کو چھوڑ کر حمد باری کا وظیفہ جاری رکھا‘‘۔

ہمارے معزز مضمون نگار نے سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اہم واقعہ کو اس کے تمام تر سیاق و سباق کے ساتھ پسِ پشت ڈال کر محض اپنی ایک ’’بات‘‘ کو ثابت کرنے کے لیے ایک تخیلاتی تحریر گڑھ لی ہے۔ کیا سچے لوگوں کے یہی طریقے ہوتے ہیں۔ مضمون نگار جواب دیں کہ اس سے ان کو فائدہ کیا پہنچا۔ جو لوگ اس واقعے کو جانتے ہیں وہ تو مضمون نگار کی تحریر کی مذمت کر کے اس کو پسِ پشت ڈال دیں گے۔ لیکن جو لوگ نہیں جانتے اور ہر لکھی ہوئی چیز کو معیار سمجھتے ہیں (جن کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے) وہ اسے دلیل بنا کر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر پھیلاتے رہیں گے۔ اس کا وبال کس کے سر جائے گا۔ حقیقی واقعہ کیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

عصرِ حاضر کے سیرت نگار حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب ’’ضیاء النبی‘‘ (جلد دوم) میں اس حوالے سے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ میں آپ کے مطالعے کے لیے دونوں روایتیں پیش کرتا ہوں آپ اندازہ کیجیے کیا ان دونوں روایتوں میں اور ہمارے معزز مضمون نگار کی پیش کی ہوئی تحریر میں کوئی ہلکا سا بھی ربط یا متن موجود ہے۔ پہلی روایت ملاحظہ کیجیے:

عتبہ بن ربیعہ رؤسائے قریش میں سے ایک برسر آوردہ رئیس تھا۔ ایک روز صحنِ حرم میں قریش کی ایک محفل جمی ہوئی تھی۔ یہ بھی اس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دور حرم کے ایک گوشے میں یادِ الٰہی میں مصروف تھے۔ عتبہ بولا۔ اے قریشی بھائیو! کیا میں محمد (روحی فداہ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس نہ جاؤں اور اس سے گفتگو کروں اور اس کے سامنے چند تجاویز پیش کروں شائد ان میں سے کوئی تجویز وہ مان لے اور ہمارے اس پریشانی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب حضرت حمزہ نئے نئے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اور آئے دن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ سب نے اس بات کی تائید کی اور کہا اے ابوالولید! اٹھیے اور ان سے گفتگو کیجیے۔ عتبہ اٹھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ پھر اس نے مہرِ سکوت توڑی اور یوں گویا ہوا۔

’’اے میرے پیارے بھتیجے! حسب ونسب کے لحاظ سے جو تیرا مقام ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ لیکن تو نے اپنی قوم کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ تو نے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر

دیا ہے۔تو انہیں بے وقوف کہتا ہے ان کے خداؤں اور ان کے عقائد کی عیب چینی کرتا ہے۔ان کے باپ داداؤں کو کافر کہتا ہے۔اب میری بات سنو میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں ان میں غور کرو اور ان میں سے جو تجویز تمہیں پسند ہو وہ قبول کر لو"۔حضور نے یہ سن کر فرمایا "اے ابا ولید! اپنی تجاویز پیش کرو میں سننے کے لیے تیار ہوں"۔

عتبہ کہنے لگا "پہلی تجویز تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ جو تم کر رہے ہو اگر اس سے تمہارا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم تیرے سامنے تیرے لیے دولت کے انبار لگا دینے کے لیے تیار ہیں۔تا کہ تو سارے ملک عرب کا رئیسِ اعظم بن جائے ......اور اگر اس کا مقصد عزت اور سرداری حاصل کرنا ہے تو ہم سب تم کو اپنا سردار ماننے کے لیے آمادہ ہیں۔تیرے حکم کے بغیر ہم کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے ......اور اگر تم بادشاہی کے طلب گار ہو تو ہم سب تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں ......اور اگر جنات کا کوئی اثر ہے جس سے مغلوب ہو کر تم نے ساری قوم کے خلاف محاذ قائم کر رکھا ہے تو ہم تیرا علاج کرانے کے لیے تیار ہیں۔اس علاج میں جتنا بھی خرچ اٹھے گا وہ ہم برداشت کریں گے۔تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"۔

وہ کہتا رہا حضور خاموشی سے سنتے رہے جب وہ خود ہی چپ ہو گیا تو رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) گویا ہوئے "اے ابا ولید! تم نے اپنی بات پوری کر لی"۔

اس نے کہا "ہاں"۔حضور نے فرمایا "اب میرا جواب سن"۔

اس نے کہا "فرمایئے سنتا ہوں"۔

(آپ ﷺ نے سورہ حم السجدہ کی آیت نمبر اول تا پنجم تلاوت کیں: ترجمہ)

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔حم۔اتارا گیا ہے یہ قرآن رحمن ورحیم خدا کی طرف سے یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو علم (وفہم) رکھتے ہیں۔یہ مژدہ سنانے والا اور بر وقت خبردار کرنے والا ہے۔بایں ہمہ منہ پھیر لیا۔ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں۔اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں"۔(سورہ حم السجدہ)

اللہ کا حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کا کلام پڑھتا جا رہا ہے اور عتبہ دم بخود سنتا جا رہا تھا۔اس نے اپنے بازو پیٹھ کے پیچھے زمین پر ٹیک لیے تھے۔حضور نے آیتِ سجدہ تک اس سورت کی تلاوت کی اور پھر خود سجدہ کیا پھر حضور نے عتبہ کو مخاطب کر کے فرمایا ''جو تجھے سنا چاہیے تھا وہ تو نے سن لیا اب تم جانو اور تمہارا کام''۔(حوالہ:ضیاءالنبی/از پیر محمد کرم شاہ الازہری/جلد دوم/صفحہ ۲۸۰ تا ۲۸۲)

دوسری روایت بیان کرنے چنداں ضرورت نہیں لیکن میں اس لیے وہ بھی بیان کر رہا ہوں کہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ شاید دوسری روایت میں ہمارے معزز مضمون نگار کے بیان کی تصدیق موجود ہو۔ملاحظہ کیجیے:

اس روایت کو لکھنے سے پہلے ہمارے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ:

> ''اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں یہ پیش کش تنہا عتبہ نے کی تھی۔اور مندرجہ ذیل روایت میں یہی پیش کش پوری قوم کے سر برآوردہ لوگ اجتماعی طور پر بارگاہِ حبیبِ کبریا میں پیش کرتے ہیں۔اس کے علاوہ یہاں حضور کا جواب پہلے جواب سے مختلف ہے۔نیز حضور کے اس جواب کے بعد کفار نے شدید قسم کے ردِعمل کا اظہار کیا ہے۔یہ ساری چیزیں پہلی روایت میں نہیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں ایک دوسرے واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے''۔(ضیاءالنبی/جلد دوم/صفحہ ۲۸۴)

اب آپ وہ روایت پڑھیے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ

کفار کی دن بدن صورتِ حال بگڑتی جا رہی تھی۔حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ بگڑی ہوئی صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے سارے قبائل کے سردار جمع ہوتے ہیں۔جن میں سے چند سر برآوردہ سرداروں کے نام یہ ہیں۔عتبہ بن ربیعہ،شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب،نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، اسود بن مطلب، زمعہ بن اسود،ولید بن مغیرہ،ابوجہل بن ہشام،عبداللہ بن ابی امیہ ،عاص بن وائل،نبیہ اور منبہ پسرانِ حجاج،امیہ بن خلف وغیرہ(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد اول،صفحہ ۳۱۵)

یہ سارے سردار غروبِ آفتاب کے بعد کعبہ شریف کی پشت کی سمت جمع ہوئے۔ان میں سے ایک بولا ''محمد(فداہِ روحی وابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم) کو آدمی بھیج کر یہاں بلاؤ اور اس کے ساتھ دوٹوک بات کرو''۔چنانچہ ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر حضور کی خدمت میں بھیجا گیا کہ'' آپ کی قوم

کے سارے سردار کعبے کے پاس حرم میں اکھٹے ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ آج آپ سے فیصلہ کن گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس لیے آپ آیئے اور ان سے بات کیجیے''۔

پیغام سنتے ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اور ان کے پاس بیٹھ گئے انہوں نے گفتگو کا اس طرح آغاز کیا۔

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آج آپ کو بلا بھیجا ہے ہم آپ کے ساتھ فیصلہ کن بات کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم! جس مصیبت میں آپ نے اپنی قوم کو مبتلا کیا ہے، ہم نہیں جانتے کہ کسی اور نے بھی اپنی قوم پر ایسی زیادتی کی ہو۔ آپ ہمارے باپوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ ہمارے دین میں سو سو عیب نکالتے ہیں۔ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں۔ آپ نے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ کوئی بُری بات ایسی نہیں رہی جس سے تم نے اپنی قوم کو پریشان نہ کیا ہو''۔

''اس ہنگامہ آرائی سے اگر آپ کا مقصد دولت جمع کرنا ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال و زر جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ساری قوم میں امیر ترین آدمی بن جائیں گے۔ اور اگر آپ عزت و سیادت کے خواہش مند ہیں تو ہم سب آپ کو بڑی خوشی سے اپنا سردار تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور اگر تخت و تاج کی آرزو میں آپ یہ سارے پاپڑ بیل رہے ہیں تو آپ ہمیں بتایئے متفقہ طور پر بصد مسرت آپ کے سر پر تاجِ شاہی سجانے کا اعزاز حاصل کریں گے۔ اور اگر (آپ پر) آسیب اور جنات کا اثر ہے جس سے مجبور ہو کر آپ نے اپنی قوم کا امن و سکون برباد کر دیا ہے تب بھی بتا دیجیے ہم آپ کا ماہر ترین طبیب سے علاج کرائیں گے خواہ اس علاج پر کتنا ہی روپیہ ہمیں خرچ کرنا پڑے ہمیں اس کی ذرا پروا نہیں''۔

جب وہ اپنی تجاویز پیش کر چکے تو ہادیِ انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم یوں گوہر فشاں ہوئے:

> ''ان چیزوں میں سے میں کسی چیز کا طلب گار نہیں۔ نہ مجھے مال و دولت کی خواہش ہے اور نہ ہی عزت و سیادت کی آرزو، اور نہ میری نگاہوں میں تخت و تاجِ سلطانی کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی رحمت کا مژدہ سناؤں، اور اس کے عذاب سے بر وقت خبردار کروں، میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور اپنی طرف سے تمہاری خیر

خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ جو دعوتِ حق لے کر میں آیا ہوں اگر تم اس کو قبول کر لو گے تو دنیا و آخرت میں تم سعادت مند ہو گے اور اگر تم اس کو مسترد کر دو گے تو میں پھر بھی صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے''۔(ضیاء النبی/ از علامہ پیر کرم شاہ الازہری/ جلد دوم/صفحہ ۲۸۴ تا ۲۸۵)

میں یہاں ضمناً ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اگر ہمارے معزز مضمون نگار کی روایت کے مطابق واقعی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف حمد باری تعالیٰ کے وظیفہ میں ہی مصروف رہتے تو آپ یقین کریں نہ تو اہلِ مکہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتے۔ اور نہ آپ کا انکار کرتے۔ کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی حمد و مناجات میں مصروف رہنے سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ اہلِ مکہ کے سامنے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلانِ نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی تمام تر تابانیوں کے ساتھ موجود تھی۔ وہ آپ کے حسنِ اخلاق کے گرویدہ تھے۔ آپ کو امین کہتے تھے۔ آپ کو صادق مانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزم اور تنہائی کی کسی بات، کسی معاملے سے انہیں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گھر چھوڑ کر شہر سے دور غارِ حرا کی تنہائیوں میں غور وفکر اور مجاہدے کا عمل (جیسا آپ چاہتے تھے) شروع کر رکھا تھا۔ اہلِ مکہ نے اس کام کے خلاف بھی آواز تو آواز نگاہ اٹھانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اہلِ مکہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف اس وقت شروع کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے ان کے سامنے اللہ کا دین پیش فرمایا۔ ان کے جھوٹے بتوں کی مذمت کی۔ ان کو ان کی بداعمالیوں، خرابیوں، خرافات اور گمراہی سے دوٹوک روکنے کی کوشش کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ان کو قابلِ قبول نہیں تھا ان کے آبا وَاجداد کے بنائے ہوئے پلیٹ فارم کی دھجیاں بکھر رہی تھیں، ان کا کفر وشرک پر مشتمل آبائی نظام کے تارو پود بکھر رہے تھے۔ سو وہ اپنے سسٹم اپنے نظام کو بچانے کے لیے پوری قوت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔

آج بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایسی جماعتیں جن کا کام صرف عبادات و ریاضات کو فروغ دینا ہے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوتی لیکن جو لوگ، جو جماعتیں اسلام مخالف قوتوں کی مخالفت کرنے لگتی ہیں ان کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کرنے لگ جاتی ہیں۔ باطل کے نظام کے آڑے آنے کی سعی کرنے لگتی ہیں، یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی سائنسی ورک

شروع کر دیتی ہیں ان پر بم برسائے جانے لگتے ہیں۔ان پر کریکر اور میزائیلوں سے حملے شروع ہوجاتے ہیں۔اورصرف مقامی اورقومی سطح پر ہی نہیں بلکہ انٹرنیشنل لیول پر بھی انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے تباہ وبرباد کرنے کوششیں شروع کر دی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی سعادت عطا فرمائے اور کسی بھی وجہ سے جو غلطی ہوگئی ہے اس پر توبہ کرنے اوراس کا ازالہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آپ کے اسی پرچے میں ایک اور لکھاری نے اپنے ایک مضمون میں ''نیت'' کی بات کی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ ''اچھا کام کرنے والے کی نیت غلطی کرنے کی نہیں ہوتی۔کیونکہ اس کی نیت صالح ہے اس لیے اگر اس سے غلطی ہوجائے تو اس پر گرفت نہیں کی جاسکتی''۔اس حوالے سے بھی ملاحظہ فرمائیے:

''......نیت کے اچھے ہونے سے فعلِ حرام جائز قرار نہیں پاسکتا۔ارادے کے نیک ہونے سے کفریہ فعل درست قرار نہیں پاسکتا۔اور مقاصد پاک ہونے سے ناپاک فعل طاہر ومطہر نہیں ہوسکتا''۔(دہشت گردی اور فتنۂ خوارج/ از شیخ لاسلام ڈاکٹر طاہر القادری/صفحہ ۳۸)

میں نے یہ ایک اشارہ دے دیا ہے اس موضوع پر تفصیل سے جاننے کے خواہش مند ''دہشت گردی اور فتنۂ خوارج''صفحہ نمبر ۳۵ تا ۳۹ کا مطالعہ فرمائیں انشاءاللہ دل کا اطمینان حاصل ہو گا اور حدیث ''عمل کا دارومدار نیت پر ہے'' کے دیگر مفاہیم سے بھی آگاہی ہو گی۔وماعلینا الاالبلاغ۔

مختار ٹونکی۔ٹونک راجستھان

نعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نئی جہت

کہنے کو نعت حضرت عالی وقار کی
منہ میں زبان چاہئے پروردگار کی

(ماہر القادری)

نعتیہ شاعری اپنے مواد وموضوع اور طرز وآہنگ کے لحاظ سے اردو شاعری میں کوئی مستقل صنفِ سخن نہ ہونے کے باوجود ایک منفرد شناخت رکھتی ہے مگر اس سے عہدہ برآ ہونا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔فی زمانہ دیکھا گیا ہے کہ جب بھی کوئی قلمکار نعت گوئی پر خامہ فرسائی کرتا ہے یا کسی نعت گو شاعر کے کلام پر تبصرہ کرتا ہے تو اس کا اولین جملہ یہی ہوتا ہے کہ نعت گوئی راہِ دشوار و پر خار ہے۔تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے اور گویا پل صراط کی مانند ہے جس پر ہر ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا۔اسی ضمن میں عرفی شیرزی کے چار مصرعوں کو بھی دہرایا جاتا ہے کہ ''ایس رہ نعت است نہ صحرا'' کہ تیز روی دکھائی جائے اور نہ ''مدیح کے جم'' ہے کہ قدرت کلام سے کام لیا جائے۔بلاشبہ مدح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جذبۂ ایمان کی نشانی اور ذکرِ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند قدوس کی ہم زبانی ہے کیوں کہ

آبروئے مازنامِ محمد است

کہا گیا ہے کہ حمد باری تعالیٰ کے عشق الٰہی اور دیوانگی ووارفتگی ضروری ہے وہیں نعت شریف کے واسطے محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گہری عقیدتمندی وہوشیاری وفرزانگی بہر طور لازمی ہے کچھ یوں ہی نہیں کہا گیا ہے کہ

باخدا دیوانہ وبا مصطفیٰ ہشیار باش

نعت کی شاعری واللہ حددرجہ احتیاب کی متقاضی ہوتی ہے کہ شاعر حدود آداب سے تجاوز نہ کرے۔وہ صحیح العقیدہ ہو، مذہب کی واقفیت سے بہرہ ور ہو،قرآن وحدیث سے وابستہ ہواور عشق نبی ومحبتِ رسول ﷺ کے مطہر جذبے سے سرشار ہو۔نزول شعر کے وقت ذہن ودماغ اورقوت متخیلہ پرحضور سراپاانور ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہی حاوی ہو۔ مداح نبی حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ بہت پہلے کہہ گئے ہیں کہ

ما ان مدحت محمداً بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد

واضح یاد کہ عہد حاضر میں ایسے سخنوروں کی بھی کمی نہیں جوشرقیہ طور پرنعت گویوں میں اپنا نام لکھانے کی خاطر طبع زمائی کررہے ہیں مگرعلیم صبا نویدی کے لئے لاریب یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہوش مند وخاص نعت گو شاعر ہیں اور نعتیہ شاعری کا اہتمام کرنے میں وہ آداب واحترام اور احتیات و التزام پرخصوصی توجہ دیتے ہیں یوں توعلیم صبا نویدی کی شخصیت اردوشعروادب میں مینارۂ عزمت کی حیثیت رکھتی ہے انھوں نے اپنی خدمات جلیلہ اور مستحسن کارناموں سے نہ صرف برصغیر بلکہ عالم گیر پیمانے پراپنی سخنورانہ جہاں گیری ثابت کی ہے۔ ہرصنفِ ادب پر یکساں دسترس رکھنے والے قلم کار کے لئے یہ کہاں مشکل ہے کہ وہ قلزم نعت میں شناوری نہ کرسکے۔''حراۃ النور''۔''نور السمٰوات''، ''ن''،''نوراعظم''،''اسم تاب'' وغیرہ نعتیہ مجموعے انہیں بہترین ناعت بھی ثابت کرتے ہیں۔مستزاد یہ کہ انہوں نے نعت شریف میں ہئیتی تجربات کے جوہر دکھائے ہیں۔''نورالسمٰوات''میں ان کو بہت سے نعتیہ سانیٹ راقم الحروف کو بہت پسند آئے اوران کی یہ ادائے مجتہدانہ میری نظر میں مقبول ٹھہری اوراب وہ جہانِ نعت کونثری نظموں میں سمیٹنے کی سعی مستحسن کررہے ہیں جوسونے پرسہاگہ کا مصداق بنیں گی۔ مجھے ذاتی طور پر پابند شاعری کے مقابلے میں''نثری نظم'' بے جواز لگتی ہے مگرعلیم صبا نویدی کی نثری نعوت پڑھ کر متاثر ومعترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا اوربعض جگہ تو احسنت ومرحبا کے الفاظ کہنے پڑے۔انہوں نے ہرطور یہ ثابت کردیا کہ

شرط سلیقہ ہے ہر ایک امر میں

عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے

سب سے پہلے عرض کردوں کہ 'نعت شریف' میں موضوع کی یکسانیت کی وجہ سے تنوع پیدا

کرنا اور جدت وندرت کے پھول کھلانا جوئے شیر لانا کے مترادف ہے۔ کمالات نبوت اور مدارج رسالت کے بیان میں عقل کو پاسبان رکھ کر بھی کوئی نئی بات مشکل سے کہی جاسکتی ہے مگر علیم صبا نویدی ہیئت پسند ہونے کے ساتھ کیفیت نگار بھی ہیں، واقعہ نگاری میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں، وہ اس ڈھنگ سے اپنی فکر پارہ پارہ کی قندیلیں روشن کرتے ہیں کہ موضوع کے در و بام خود بخود جگمگا اٹھتے ہیں اور فضا کو مبین ومنور کردیتے ہیں اور قاری کے ذہن میں بھی نور کرنیں پھوٹنے لگتی ہیں ۔ایک نثری نعت 'سواری' مثلاً ملاحظہ ہو جس میں انہوں نے پامال خیال کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ نثری نظم

سواری

یہ دف بجاتی دوشیزائیں
رس بھرے راگوں کے دلکش باغ
مہکتے لمحوں کی باراتیں
مسرت میں جھومتی، مسکراتی شامیں
ٹہنیوں پہ چہچہاتے پرند
شاخوں پہ ڈولتی تتلیاں
لہلہاتے آنکھ مچولی کھیلتے پورے
نور کی رتھ پہ آنے والی
سواری کے منتظر ہیں.......

ایک تو لفظوں کا انتخاب ہی جاذبِ نظر ہے، پھر دف بجاتی دوشیزائیں قاری کو پس منظر میں لے جاتی ہیں اور سرور کی کیفیت سے ہمکنار کرتی ہے وحدت خیال اور وحدت تاثر سے بھی سرشاری پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس نثری نعت کے بطن میں اترا جائے تو فکر ومعنی کی پرتیں بھی کھلتی نظر آئیں گی۔

اسی طرح ان کی دوسری نثری نعتوں میں یک گونہ متنوع ملے گا اور وحدت تاثر بھی ایک اکائی پر مرکوز نظر آئے گی۔ ممدوح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں انہوں نے ''اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے مجموعے میں جو کچھ کیا ہے یا زیر نظر مجموعے میں جو رطب اللسان کی ہے اسے دیکھ کر مجھے یہ کہنے میں بھی ذرا بھی بلکہ نہیں کہ

مدح خوانی کے لئے حق نے اتارا ان کو

عام طور پر نثری نظمیں غنائیت کے محروم ہوتی ہیں کیونکہ ان میں ردیف وقافیہ کا التزام نہیں

ہوتا،اوزان بھی پارہ پارہ ہوتے ہیں لیکن ان نثری نعت موضوع کے لحاظ سے مکمل ہے اور آخر میں ایک تاثر چھوڑتی ہے لیکن علیم صبا نویدی کی پیش کش کا طریقہ بھی منفرد ہے وہ کہیں کہیں ایسے ٹکڑے چھوڑ دیتے ہیں کہ پوری نثری نعت پڑھے بنا مفہوم پر روشنی نہیں پڑتی ۔مثلاً ''معجزہ'' کا اختتامیہ دیکھئے۔

میرا سر
جو کل تک
سب کے آگے
سجدہ ریز تھا
آج میرے آگے
ایک دنیا سجدہ ریز ہے

یہ معجزہ کیسے ہوا؟۔پوری نثری نعت کو بغور پڑھے اس کا ادراک ممکن نہیں ہے۔اسی طرح ایک نثری نعت شریف کا درمیانی حصہ ہے اس طرح ہے۔

عکس نے مجھ سے کہا
سجدہ کرو
میں سجدہ ریز ہو گیا

کتنا بلیغ ٹکڑا ہے جو اپنی جگہ بھرپور کیفیت کا حامل ہے۔مگر پوری نثری نعت سے اور بھی واضح ہوں گے۔کوئی بھی پابند نظم یا نثری نظم اور شعر پارہ چاہئے طویل ہو کہ مختصر تب ہی بہتر و بہترین کہا جا سکتا ہے کہ اس کا خاتمہ قاری کو شاندار لگے۔دوسرے لفظوں میں اس کے ذہن پر ایک نقش چھوڑے۔علیم صبا نویدی کے یہ نعت پارے اس خوبی کی کسوٹی پر بھی کھرے اترتے ہیں۔اس میں کوئی کلام نہیں کہ انہوں نے ''نور اولیں'' سے اسقدر اکتساب فیض کر لیا ہے کہ نور مجسم ﷺ کے طفیل ان کی شخصیت بھی نورانیت کے سانچے میں ڈھل گئی۔

بہر کیف میری نظر میں ان کی یہ سعیٔ مشکور بھی بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں مقبول ہو گی۔

یوسف رحیم بیدری

نثار احمد کلیم کی نعت گوئی کا طائرانہ جائزہ

نثار احمد کلیم نے حکیم محمد عبدالرزاق صاحب کے مکان میں 17 فروری 1931ء کو گارم پلی تعلقہ چنچولی ضلع گلبرگہ میں پیدا ہوئے لیکن اپنا مسکن شہر اُردو بیدر کو بنایا۔ایم اے بی ایڈ ، ادیب کامل ، ہندی ودوان اور ساہتیہ رتن نثار احمد کلیم نے اُردو شاعری کی طرف اس عمر میں بھر پور توجہ دی جبکہ لوگ اس کافر سے دل لگانا چھوڑ دیتے ہیں ۔گویا شاعری ان کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اور یہ بات انھوں نے کہیں رقم نہیں کی ہے تاہم ان کی شاعری میں حددرجہ مشغولیت بتاتی ہے کہ کچھ اسی قسم کا معاملہ ہے۔ نثار احمد کلیمؔ سے خاکسار کا گذشتہ 4 سالہ تعلق ہے ۔کبھی خلوت وجلوت میں بھی ساتھ رہا ہوں ، ان کے شب وروز دیکھے ہیں ۔شاعری کے حوالے سے ان کی بے چینیوں کو محسوس کیا ہے۔مصرع کا ہونا ، شعر کا کہنا ، بعدازاں غزل یا نعت کے تیار ہونے پر فون کر کے سنا دینا یہ وہ معمولات ہیں جو گذشتہ 4 سال سے جاری ہیں ۔ان کے 4 شعری مجموعے فکر کلیم سے لے کر نوائے کلیم تک ان تمام کی اشاعت گذشتہ 4 سال کے درمیان ہوئی ہے جو ایک غیر معمولی بات ہے۔جس تیزی سے وہ شاعری کر رہے ہیں اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ مزید مجموعہ ہائے کلام بلکہ کلیات بھی منظر عام پر آسکتا ہے۔

اب میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں، نثار احمد کلیمؔ صاحب کی کتاب ''اسرارِکلیم'' کے پیش لفظ میں ڈاکٹر راہی فدائی لکھتے ہیں ''اسرار کلیم آپ (یعنی نثار احمد کلیم) کی دوسری کتاب ہے، جس میں حمد ونعت کے علاوہ غزلیات بکثرت موجود ہیں ۔غزلوں کی پیشکش ہی مقصودِ اصلی ہے اور باقی دیگر مشمولات ضمنی ہیں'' (صفحہ 8) جس شعری مجموعہ کا 13 فیصدی حصہ نعتوں پر مشتمل ہو، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ غزلوں کی پیشکش ہی مقصودِ اصلی ہے اور باقی دیگر مشمولات ضمنی ہیں ،ایک سرسری بات ہے، جس میں کوئی گہرائی نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نثار احمد کلیم نے نعت کہنا اپنی صبح وشام کا وظیفہ بنالیا ہے، انھوں نے عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوب کر اور آہستہ آہستہ اس جانب قدم بڑھا کر نعتیں کہی ہیں ۔یہ شعر دیکھیں ۔

اب فکر کیوں کرے گا زمانے کی اے کلیمؔ

اس کو تو کام صرف نبی کی رضا سے ہے

اب بھلا بتایئے جس کو نبی کی رضا سے کام ہو، وہ اگر غزل بھی کہے گا تو اس میں نعتیہ شعر ضرور کہے گا یا نہیں؟۔اسی خیال کو بنیاد بنا کر نثار احمد کلیم کے متذکرہ بالا شعری مجموعہ ''اسرار کلیم'' کی ہی غزلوں کو تلاشا جائے تو اس میں کئی نعتیہ اشعار مل جائیں گے۔نمونہء کلام ملاحظہ کیجئے ۔

کیا نظر آپ کی ہوگئی
زندگی زندگی ہوگئی
آپ جلوہ نما کیا ہوئے
ہر طرف روشنی ہوگئی
میرے آقا کی خاکِ پا کیا ہے
اس کے آگے یہ کیمیا کیا ہے

اور یہی بات خاکسار کے مضمون ''اسرارِ کلیم۔ایک مطالعہ'' میں دیگر پیرائے میں بیان ہوئی ہے، کہا گیا ہے ''شعری مجموعہ 'اسرارِ کلیم' میں صرف غزلوں کی بہار ہے اور ان غزلوں میں بھی بکثرت شعر حمد اور نعت کے مل جاتے ہیں۔'' (صفحہ 19)

بس یہی ہے کلیمؔ کا کہنا
دفن کرنا مجھے مدینے میں
یہ تو عطا خدا کی ہے تجھ کو میاں کلیمؔ
اشعار نعت کے ہیں تو تیرا کمال کیا

مسعود عابد اکیلوی نے ان کے پہلے شعری مجموعے ''فکرِ کلیم'' میں شامل اپنے مضمون میں بقول شخصے لاجواب بات کہی ہے۔''کلیم صاحب کا نعتیہ کلام عشقِ نبی میں ڈوبا ہوا ہے'' ظاہر سی بات ہے کہ نعتیہ کلام میں عشق نبی ضروری ہے ، یہ کوئی ایسی شہادت نہیں ہے جس پر ناز کیا جاسکے۔ عبدالرب استاد نے ان کے پہلے مجموعہ کلام کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے ''مجموعہ 'فکر کلیم' روایتی انداز میں حمد و نعت سے شروع ہوتا ہے، نعتوں کی تعداد 14 ہے غالباً چودہ صدیوں کی مناسبت سے آپ نے چودہ نعتیں اس مجموعے میں شامل کی ہیں۔ بزرگان دین سے عقیدت کا اظہار 10 منقبتوں سے ہوتا ہے۔شاعری کے باب میں 31 غزلیں اور ایک دوغزلہ ہے'' (نقوشِ کلیم، صفحہ 17)

دوحمد، 5 خراج عقیدت، 6 نظمیں اور 3 قطعات کو بھی ملا لیا جائے تب بھی موصوف کی نعتوں کا پلہ کمیت کے اعتبار سے بھاری ہی ہوگا۔لیکن خود نثار احمد کلیم اپنے شعری سفر کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''اُردو شاعری میں عموماً شعراء اپنی شاعری کا آغاز غزل سے کیا کرتے ہیں مگر میری شاعری کا آغاز نعت سے ہوا۔ رب کا فضل شامل حال رہا کہ شعر گوئی کی صلاحیت پیدا ہوئی'' (فکرِ کلیم صفحہ 14) اس بیان سے معلوم ہوا کہ نثار احمد کلیمؔ کو نعت گوئی سے خاص لگاؤ آغاز شاعری سے رہا ہے جس کا اظہار انکے تمام مجموعہ ہائے کلام میں ملتا ہے۔ نثار احمد کلیمؔ نعت کو مومن کا وظیفہء حیات اور ادیب کا سرمایۂ فن سمجھتے ہیں۔اتنا ہی نہیں، وہ مانتے ہیں کہ نعت گوئی کلام کو قوت عطا کرتی ہے۔اور نعت گوئی کا فریضہ وہی انجام دے سکتا ہے جو رسولِ کریم سے محبت رکھتا ہو۔اس سے 4 باتیں سامنے آتی ہیں۔ (۱) نعت مومن کا وظیفۂ حیات ہے۔(۲) ادیب کا سرمایۂ فن نعت ہی میں پوشیدہ ہے۔(۳) نعت گوئی سے کلام میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ (۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت ہو تب ہی نعت گوئی کا فریضہ ممکن ہے۔

پہلی بات:۔نعت مومن کا وظیفۂ حیات ہے۔اس نکتہ کی وضاحت کے لئے اگر نثار احمد کلیمؔ کی نعتوں کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مومنوں کو اس کی تلقین ضرور کی ہے ؎

رات دن ذکرِ نبی وردِ زباں ہو جس کے
ہر جگہ سید ابرار نظر آتے ہیں

غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیوں نہ ہو محبوب دنیا میں
اسی آقا سے نسبت ہے جو محبوبِ داور ہے

دوسری بات:۔ ادیب کا سرمایۂ فن نعت ہی میں پوشیدہ ہے۔مثال

کلیمؔ اپنی حقیقت کی نہیں ہے کچھ خبر ہم کو
قلم اپنا، زباں اپنی مگر دفتر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

تیسری بات:۔ نعت گوئی سے کلام میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

یا نبی ! یہ حبِ دنیا مومنوں کے واسطے
ریشمی چادر ہے جو الجھی ہوئی کانٹوں میں ہے

مصرع ثانی نے شاعری کا حق ادا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ بلکہ نثار صاحب کے اچھے مصرعوں میں اس کا شمار ہوگا۔

چوتھی بات :۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہو تب ہی نعت گوئی کا فریضہ ممکن ہے ؎

یہ تو عطا خدا کی ہے تجھ کو میاں کلیمؔ
اشعار نعت کے ہیں تو تیرا کمال کیا

نثاراحمد کلیم کی تمام نعتیں غزل کے فارم میں ہوتی ہیں۔کوئی نیا تجربہ کرنے کی انھوں نے ضرورت محسوس نہیں کی ۔آزادغزل کی طرح آزادنعت کہنا پسند نہیں کیا۔ پابند فارم بھی کہیں نظر نہیں آتا۔موضوعات میں تنوع کی گنجائش کچھ زیادہ ہی ہے۔لیکن مرکزی نکتہ ذاتِ احمد سے شاعر کا تعلق ہے جونمایاں ہوکر سامنے آتا ہے۔شاعر نے ہر جا اپنی کچھ زیادہ ہی فکر کی ہے۔اور ایسا غالباً ہونا ہی چاہیئے ؎

محشر کی دھوپ سب کے لئے امتحاں تو ہے
مجھ پر نگاہِ شافعِ روزِ جزا تو ہے
اعمال ِ خیر کا مجھے اپنے پتہ نہیں
ذکرِ نبی نجات کا سامان ہو گیا
کلیمؔ اپنی حقیقت کچھ نہیں معلوم ہے لیکن
نوازیں جب مرے آقا تو ہر قطرہ سمندر ہے
کلیمِ بے نوا کی سانس میں ذکرِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے
مجرد ذکر ہے اس میں کوئی شامل نہیں رہتا

شاعر نے رسالت سے زیادہ رسول اللہ کوموضوع بنانے میں ایسا لگتا ہے، کامیابی حاصل کی ہے۔اور یہ کامیابی شعور ولاشعور کی وہ جنگ ہے، جوصاف محسوس ہوتی ہے لیکن اس کا تجزیہ ممکن نہیں ہے۔عمومی زندگی سے متعلق اگر دیکھا جائے تو بلا شبہ نثار احمد کلیم کے حصہ میں خوش بختی آئی ہے۔ ماںباپ کا پیار، بھائی ، اولادیں ،معتقدین ،شاگرد اور ایک ایسی زندگی جو کسی کی محتاج نہیں ہے۔اور وہ فلسفہ جوشروع تو الحاد کی گود میں بیٹھ کر ہوا لیکن آج تائب ہوکر رسول اللہ کے جلو میں جگہ پانے میں کامیاب ہے،جس کی واضح موجودگی کا اظہار وہ نعتیں ہیں جو نثار احمد کلیمؔ کے 4 مجموعہ ہائے کلام فکرِکلیم ،اسرارِکلیم ،گلزارِکلیم اورنوائے کلیم میں خوش بختی کے مقدس سنگ میل کی طرح نظر آتی ہیں۔

مولانا علی اعظم خاں قادری[1]

قسمت سکندر پوری کی نعتیہ شاعری

دنیا میں ایک سے ایک صاحب علم وفن پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔لیکن ایسی شخصیتیں جن میں متعدد خوبیاں پائی جاتی ہوں اور مختلف علوم وفنون کے ماہر ہوں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ایسی ہی کم یاب شخصیتوں میں فاضل جلیل حضرت مولانا قسمت سکندر پوری کا شمار ہوتا ہے جو مختلف اوصاف حمیدہ کے مظہر ہیں۔ بے شمار خوبیاں ان کی ذات میں پوشیدہ ہیں۔

آپ ایک عظیم مدرس نامور خطیب، مشہور ومعروف ردوکد شاعر اور قلم کار ہیں۔آپ کے کئی مجموعہ کلام منظر عام پر آکر اہل علم وادب سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔شاعری کے اصول وضوابط پر آپ اچھی نگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر تعلیم بھی ہیں۔

حضرت مولانا قسمت سکندر پوری ۱۸ر ستمبر ۱۹۶۸ء میں بمقام رستم پور اشرف پٹی سکندر پور ضلع امبیڈکر نگر اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن مالوف میں حاصل کی۔مزید تعلیم کے لئے آپ ملک کی مشہور ومعروف درس گاہوں کے باصلاحیت اساتذہ کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ نیز دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے دیگر علوم کی تکمیل فرمائی۔

مولانا موصوف کو طالب علمی کے زمانے سے ہی تاریخی علمی وادبی کتابوں کے مطالعہ کا شوق رہا ہے۔مطالعہ کی وسعت کی وجہ سے آپ کی تقریر وتحریر میں علمی ومعلوماتی نکات پائے جاتے ہیں۔آپ دورانِ حصول تعلیم سے ہی اخبار ورسائل میں مضامین اور مراسلے لکھتے رہے اسی دوران شعر وادب کی طرف آپ راغب ہوئے۔جب آپ کی عمر ۱۳ر سال کی تھی آپ نے بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نعت پاک لکھ کر نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اس کے بعد آپ نے باضابطہ شاعری کا آغاز فرمایا اور مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ جو اخبارات ورسائل میں شائع ہو کر اہل علم وادب سے داد وتحسین حاصل کئے۔

---

[1] {اڈیٹر سہ ماہی ''حضرت بلال'' کولکاتہ

عشق رسول ﷺ ایمان کی جان ہے ۔ اسلامی تعلیمات کی بنیاد ہے ۔جس کے اندر عشق رسول جتنا پختہ ہوگا اس کا ایمان بھی اتنا ہی مستحکم و پائیدار ہوگا۔ بغیر عشق رسول کے ایک ایمان والا اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ اس لئے بڑے بڑے شعراء نے بھی اپنے عشق کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں مدح سرائی کر کے اپنے قلم کی جولانیاں دکھائیں ہیں۔

اللہ کے پیارے رسول خطۂ عرب میں تشریف لائے اور سب سے پہلے آپ کے پیغام حق کو قبول کرنے والے اہل عرب تھے اس لئے نعتیہ شاعری کی ابتداء بھی عربی زبان میں ہوئی لیکن اس صنف پر دنیا کی تمام زبانوں میں طبع آزمائی کی گئی اور مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم شعراء نے بھی نعت پاک کے اشعار کہے۔ تخلیق کاروں نے نعت گوئی میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ شاعری کی مختلف اصناف ہیں اس میں نعت گوئی کا فن نہایت ہی مشکل اور دشوار کن ہے۔ ’’بقول امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نعتیہ شاعری کرنا دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ اگر افراط ہوگی شان الوہیت میں شرکت ہوگی اور تفریط میں توہین رسالت کا خدشہ ہے‘‘ نعتیہ شاعری کرنے والے کو قدم قدم پر ٹھوکر کھانے کا امکان ہوتا ہے کہ شاعر کہیں افراط وتفریط کا شکار نہ ہوجائے۔ دیگر اصناف سخن کی طرح نعتیہ شاعری میں یہ نہیں کہ شاعری کے اصول وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے نعت شریف کے اشعار کہہ دے بلکہ نعت پاک لکھنا ایک پاکیزہ اور مقدس عمل ہے۔ جس سے شاعر کی دنیا وآخرت دونوں سنبھلتی ہے نعت پاک لکھنا، پڑھنا اور سننا عبادت میں شامل ہے ۔ نعت کے شاعر کو شاعری کے اصول کی پابندی کے ساتھ جہاں اپنے فن کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے وہیں اپنے ممدوح کی عظمت و مقام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے شاعری کرنی ہوتی ہے۔ شاعر اس ذات اقدس کی تعریف وتوصیف میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے جو وجہ تخلیق کائنات ہے، محبوب رب العالمین ہے۔ مالک کون ومکاں ہے صاحب جود وسخا ہے جن کی تعریف وتوصیف بیان کرنے سے قبل بڑے بڑے شعراء کو اپنا سر نیاز خم کرتے ہوئے کہنا پڑا ہے کہ

ادب گا ہیست زیر آسماں ، از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

ایک عاشق رسول شاعر نعت پاک لکھنے سے قبل مداحان رسول کو درس دیتا ہے۔

ہزار بار بشویم دھن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی است

عرفی شیرازی فرماتے ہیں

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ رو کہ بردمِ تیغ است قدم را

نعت رسول لکھنے سے قبل اپنے دل میں عشقِ رسول کی جتنی فراوانی ہوگی اس کی شاعری میں اتنی ہی اثر پذیری ہوگی۔نعتیہ شاعری ہر زبان میں کی گئی اور بلاتفریق مذہب وملت لوگوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کے گن گائے۔موجودہ دور میں مشہور ومعروف نعت گوشعراء میں حضرت مولانا قسمت سکندر پوری نام آتا ہے۔آپ کے نعتیہ اشعار افراط وتفریط سے پاک ہیں حدود شرعیہ کی پابندی کرتے ہوئے آپ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی ہے۔اورنعت کے عمدہ سے عمدہ اشعار کہے ہیں۔آپ اپنے ممدوح کی ہرادا پرقربان ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔اس لئے آپ کے اشعار میں جہاں عشق رسول کی فروانی پائی جاتی ہے

وہیں شریعت مقدسہ کی پاسداری بھی آپ نے اپنے ممدوح کی محبت میں ڈوب کر نعتیہ شاعری کی ہے۔آپ مقام نبوت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

یہ بات سارے زمانے میں عام ہے کہ نہیں
خدا کے بعد نبی کا مقام ہے کہ نہیں
رسول پاک کے رخسار اور گیسو سے
وقارِ سلطنتِ صبح و شام ہے کہ نہیں
جسے حلال بتائیں اسے حلال کہو
جسے حرام وہ کہہ دیں وہ حرام ہے کہ نہیں

اس مضطرب اورانتشار پذیر دنیا میں اپنے دل کوقرار وسکون دینے کے لئے پیغام دیتے ہیں۔

پل بھر میں اضطراب کا خورشید ڈھل گیا
نام رسول پاک لیادل بہل گیا
اتنا ہے رب کو مرضی محبوب کا لحاظ
حالت بدل نہ پائی کہ قبلہ بدل گیا

مولانا قسمت سکندر پوری نے رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات وتصرفات کا تذکرہ

اپنے اشعار میں اس طرح کرتے ہیں۔

انہیں کے واسطے دونوں جہاں ہوئے تخلیق
انہیں کے ہاتھ میں سارا نظام ہے کہ نہیں

انتہائی آسان زبان میں اپنے ممدوح کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ۔

غم کا کشکول توڑ دیتے ہیں
لاکھ مانگو کروڑ دیتے ہیں
کام آتے ہیں رحمتِ عالم
جب سبھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں

نعت گوشعراء کی حوصلہ افزائی یوں کرتے ہیں۔

جھوم اٹھے جملہ ثناخوان رسول عربی
دیکھ کر رتبۂ حسّان رسول عربی
مجرموں پر بھی برستا رہا ساون کی طرح
جیٹھ بیساکھ میں فیضان رسول عربی

مولانا قسمت سکندر پوری کی نعتیہ شاعری میں جہاں زبان کی سادگی ہے وہیں زاویۂ فکر کی ندرت بھی ملتی ہے

بنجر زمیں پہ نور کی برسات ہوگئی
جب خواب میں نبی سے ملاقات ہوگئی
ہونٹوں کی طشتری میں درودوں کی پنکھڑی
کتنی حسیں غلام کی سوغات ہوگئی

مذکورہ بالا چند اشعار ہی مولانا قسمت سکندر پوری کی نعتیہ شاعری کی بلند پروازی کا نمونہ پیش کرنے کے لئے کافی ہیں۔ میں مستقبل قریب میں اور اچھے اشعار کی امید کرتا ہوں۔

علیم صبا نویدی

علقمہ شبلی کی نعت گوئی

علقمہ شبلیؔ کا نامِ گرامی اردو دنیا کی طرح تابان ہے اور ان سے نا واقف کوئی ہی نہیں ہوسکتا۔ موصوف کا تعلق بنگال کی سرزمیں سے ہے جہاں انہوں نے صرف دھرتی کی بو باس کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کی بلکہ بنگالی ٹیگور کی طرح اردو کا نام عالمی ادب میں اونچا اٹھانے کی سعی میں ہمیشہ منہمک رہے ہیں ۔ اردو کی تمام صنفوں پر موصوف کو کافی عبور ہے۔ موصوف کی غزلوں اور نظموں کے علاوہ حمد یہ ونعتیہ رباعیات کے اور نظموں کے مجموعے شائع ہوئے ہیں ۔ نیز بچوں کے لیے بھی دو شعر مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں ۔ موصوف کا کلام ہندوستان کے وقیع وجید پرچوں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے ۔ برصغیر ہند و پاک میں آپ کی نمائندگی افتخار ہے۔

''صلّوا علیہ و آلہ'' موصوف کا نعتیہ کلام کا مجموعہ جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے ۔ اس مجموعے کی نعتوں پر یہاں نظر ڈالی جاتی ہے، موصوف کی نعتوں پر جب نظر جاتی ہے تو سب سے پہلے موصوف کی نکھری ہوئی سیال زبان ہی قاری کو متاثر کرتی ہے اور پھر ان کے اظہار کا ایسا اثر پڑتا ہے کہ قاری اس کے لطف میں محو ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ نعتوں میں جو باتیں لازمی ہیں ان تمام کا موصوف نے خاص خیال رکھا ہے۔ نعت کہتے وقت موصوف کا قلم بہت ہی محتاط رہتا ہے اور ذہن بہترین اظہار کو پیش کرنے میں پوری طرح لگ جاتا ہے ۔ چونکہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے ہے تو اسے جتنا سنوارا جائے کم ہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان جتنی بھی مستحسن کوشش کی جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شایان شان ہو ہی نہیں سکتی ۔ اس ناچیزی وفا اہلیتی کا احساس ہر نعت گو شاعر کو ہوتا ہے۔ علقمہ شبلی نے حتی الامکان اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اچھے امتی ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بہترین نعت گوئی ہے۔ موصوف کی ''نعت''، صلِّ علیٰ نبینا'' ذہن ودل میں پوری طرح سمو جاتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو بھی حمد وثنا ہوئی ہے وہ انسانی بساط ہی کی حدوں میں اعلیٰ درجہ کی ہے ۔ اس نظم کا فارم مخمس ہے بلکہ یہ کہیں کے مثلث کا فارم میں ٹیپ کا مصرعہ ''یہ ہے کرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا'' اور ''صلِّ

علیٰ نبینا'' طے کر کے اس کو بہت خوبصورت ڈھنگ عطا کیا ہے۔ چوتھا مصرعہ اور پانچوں مصرعہ پوری نظم میں ریفریم یعنی اعادۂ مسلسل ہے اور ان دو مصرعوں سے تینوں مصرعوں کا مفہوم طے ہوتا ہے۔ آیئے اس کے چند بندوں پر غور کرتے ہیں۔

سایہ سروں پہ نور کا جلواہ ہو جیسے طور کا
شردہ جناں میں حور کا ہے کرم حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا

صلّی علیٰ نبیّنا

شہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری ہر ہر قدم پہ روشنی
گلشن یہ دست زندگی یہ ہے کرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

صلّی علیٰ نبیّنا

دل میں محبتِ رسول لب پر عقیدتوں کے پھول
رحمت کا روز وشب نزول ہے کرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

صلّی علیٰ نبیّنا

اس نعت میں بعض مصرعے بہت خوبصورت ترکیب میں اپنا حسن اجاگر کرتے ہیں اور نعتیہ تفہیم میں ان سے بہت مدد ملی ہے مثلاً گلشن بدمست زندگی، لب پر عقیدتوں کے پھول، نعتِ رسولِ دوسرا، وصفِ امام انبیاء، میرے لبوں پہ نغمہ زاور دِشہادت ودرود، وغیرہ پوری طرح مربوط لفظی تراکیب ہیں جو علقمہ شبلی کی زبان دانی ہی کی دلیل نہیں ہیں بلکہ ان کے اظہار کی برتری کی بھی دلالت کرتی ہیں۔ اس کا آخری بند اس ضمن میں ہی کہا گیا ہے۔

حسن بیاں کی برتری نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاعری
شبلؔی کی یہ سخن وری ہے کرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

صلّی علیٰ نبیّنا

اس طرح ایک اور نعت ''احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں علقمہ شبلی نے مزید ہنر مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ نعت قاری کے ذہن پر کئی اثرات مرتب کرتی ہے۔ ایک تو اس نعت کا موضوع کیوں کہ یہی اصل ہے اور اس میں اظہار کی برتری اور شبلی کی سخن وری کی از سر نو نمود ہے۔ اس کا فارم بھی عجیب ہے۔ ''فاعلن فاعلن'' کی پانچ بار تکرار ہے۔ اگر ہر فاعلن فاعلن'' کو ایک مصرعہ لیتے ہیں تو پانچ مصرعے طے ہوتے ہیں اور ٹیپ کا مصرعہ ''احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' آتا ہے۔ اگر ہر مصرعے میں دوبار''

فاعلن فاعلن'' لیتے ہیں تو دو مصرعوں کے بعد ایک مصرعہ ٹیپ کا آتا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے بند کو لیتے ہیں جسے موصوف نے دو مصرعوں پر ایک ٹیپ کا ٹکڑا لگایا ہے۔

فاعلن فاعلن ، فاعلن فاعلن

فاعلن فاعلن ، فاعلن فاعلن

فاعلن فعلن

اب قاری اس کو یوں لے تو کوئی غلطی نہیں کرتا

فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن

فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن

فاعلن فاعلن

آیئے یہ نعت بھی ملاحظہ کرتے چلیں

اشرف ِ ابنیاء، سرور اولیا
رہبر اصفیاء، نازش اتقیا

احمد مصطفےٰ ﷺ

سرورِ دوسرا ، باوفا بے ریا
چشمِ تر کی ضیا، جانِ علم و حیا

احمد مصطفےٰ ﷺ

ہدائی انس وجاں ، وجہ کون و مکاں
رحمت دو جہاں ، آرزوئے خدا

احمد مصطفےٰ ﷺ

ایک اور خاص بات یہ ہے کہ پوری نعت میں ہر رکن '' فاعلن فاعلن'' میں حضور ﷺ کے اوصاف ہی اوصاف ہیں گو یا حضور کی جتنی اوصاف بیان کر پاسکتے ہیں بیان کئے ہیں۔ یہ توصیفی نعت اپنے ڈھنگ کی بڑی نرالی نعت ہے۔

ایک اور نعت '' موسم گل آ گیا'' بھی اپنے ڈھنگ کی بڑی اچھی نعت ہے۔ گو یا علقمہ شبلی اپنے فن کی پوری مہارتیں انہی نعتوں پر نچھاور کردے چاہتے ہیں۔ یہ مسدس کی شکل میں ہے جس میں آخری کے دو مصرعے ٹیپ کے ہیں جو رکن میں تخفیف کے ساتھ ہیں اور یہ بھی اعادہ مسلسل ہیں۔ چلئے

اس کے ابتدائی بند لیتے ہیں۔ پوری نعت آٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔

ہے ہر زباں پر روشنی کی داستاں
ہر گام پر نقش قدم ہے ضوفشاں
فیض قدومِ احمد ﷺ مرسل ہے یہ
فرشِ زمیں ہے آج رشکِ آسماں
صلّوا علیٰ بدرالدجیٰ
صلّوا علیٰ شمس الضحیٰ

روشن ہوئے ہر سودلوں کے قمقمے
آنکھیں بچھائیں راہ میں خورشید نے
دوشِ صبا پر موسم ِ گل آگیا آگیا
قدموں پہ صدقے لالۂ نسریں ہوئے
صلّوا علیٰ بدرالدجیٰ
صلّوا علیٰ شمس الضحیٰ

تشریف کیا لائے کہ آئی زندگی
کایاپلٹ دی آپ ﷺ نے انسان کی
تیرہ شبی نے مات کھائی اس طرح
رقصاں ہوئی محل میں ہر سُوروشنی
صلّوا علیٰ بدرالدجی
صلّوا علیٰ شمس الضحیٰ

نعت ’’رہِ زندگی ہے چمن چمن‘‘ میں موصوف نے ایک عربی نعت کے پانچ مصرعوں کو بالترتیب مسدس کے فارم کے پانچ بندوں والی نعت میں ہر شعر کو پانچوں اور چھٹا مصرعہ بنایا ہے۔ ملاحظہ کرتے ہیں کہ یہ نعت کیسے کی گئی ہے۔ عربی کے مصرعوں میں بھی موصوف نے ترمیم جو کی ہے وہ بھی قابل غور ہے۔

عجب ان کی رحمت عام ہے کہ دلوں میں ان کا قیام ہے

لبِ گلفشاں پہ سلام ہے سرِ عرش حق سے کلام
بَلَغَ العلیٰ بکمالہٖ
صلّوا علیہ و آلہٖ
مری چشمِ دل کی ہیں وہ ضیا
شبِ غم میں ہیں وہ طرب فزا
سرِ راہ شمع، نقوش پا
مری دھڑکنیں، مرے مصطفےٰ
کشفَ الدُجیٰ بجمالہ
صلّوا علیہ و آلہٖ
کرم و عنایتِ خاص کی نہ ہے انتہا، نہ ہے حد کوئی
سرِ فرش یوں رہی زندگی کہ ہے جس سے عظمتِ آدمی
حسنت جمیع ِ خصالہٖ
صلّوا علیہ و آلہٖ
ہوا رقصِ نغمہ نگر نگر کھلے پھول بھی ہیں شجر شجر
دئے جل اٹھے ہیں نظر نظر رخ زندگی ہے گہر گہر
فَرَحَت نَشِیدُ مَقَالِہٖ
صلّوا علیہ و آلہٖ

ان تجربات سے ہٹ کر موصوف نے دیگر نعتوں میں عام طریقہ اظہار میں بھی اپنے اظہار کی نکھار برقرار رکھی ہے۔ آیئے چند اور اشعار چیدہ چیدہ لیتے ہیں اور زبان و اظہار کی علویت پر توجہ دیتے ہیں۔

''صاحب ادراک'' سے تین شعر لیتے ہیں۔

دل کی دھڑکن سید لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں
جن سے گردش میں ہفت افلاک ہیں
آگہیں کو روشنی جن سے ملی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ صاحب ادراک ہیں
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیا ہوئی جنت نظر
رحمتِ عالم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہیں
ایک شبلی بھی ہے محتاج کرم
اس کی آنکھیں، دیکھئے نمناک ہیں

''چراغ غارِ حرا'' کے دو بند

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شہہ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نسیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
زمیں کی رفعت، فلک کی عظمت، حبیب داور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نشان ایماں، متاع عرفاں، شفیع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سرور ِ عالم، سکونِ قلمم، خلوص پیکر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
خدا کی نعمت مرے پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فضائے تیرہ کو روشنی کا شعور بخشا
سرور کو شاہوں کے بندوں کا غرور بخشا
جہانِ مردہ کو زندگی کا سرور بخشا
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعظم کی ہر ادا ہے حیات پرور
متاعِ رحمت مرے پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان چند مثالوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ علقمہ شبلی نے نعت گوئی میں ایک نئی طرز اور ایک نئے اظہار کا باب کھولا ہے اور ثابت کے ہے کہ صاحب علم وفن ایسا ہو جس کے ہاں امکانات ہی امکانات ہوتے ہیں اور ناممکنات اس کے لئے ایک دشنام ناروا ہے۔

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

بقاؔ امروہی کی نعت گوئی

بقول محشرؔ لکھنوی امروہہ آج بھی ایوان شاعری ہے۔اس مادی اور بے ادبی کے دور میں یہاں شاعروں اور مشاعروں کی بہتات ہے۔ادبی نشستوں٬ غزل٬ نعت اور منقبت کے مشاعروں سے یہاں کی فضائیں گونجتی رہتی ہیں۔خصوصاً نعت ومناقب کی محفلیں آج بھی عقیدت و احترام سے آراستہ کی جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہاں کے شعرأ کے کلام میں نعت ومناقب کا وافر ذخیرہ جمع ہوجاتا ہے۔

گزشتہ چوتھائی صدی میں نعت ومناقب کی نشستوں اور محفلوں کے اکثر ناظم محمد احمد صدیقی بقاؔ امروہی ایڈوکیٹ ہوا کرتے تھے جو خود بھی نعت ومناقب کے بہترین شاعر تھے اور موثر ناظم مشاعرہ بھی۔ان کی نعت گوئی کا ایک مختصر جایزہ پیش خدمت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا از آدم تا ایں دم جاری ہے اور جاری رہیگی۔ یہ نثر میں بھی ہوتی ہے اور نظم میں بھی۔ جب آپ کی شان والا میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے تو اسے نعت کہتے ہیں۔ یہ نظم کی ہر ہیئت میں کہی جاسکتی ہے لیکن غزل کی ہیئت میں جو کشش ہے وہ دوسری اصناف سخن میں نہیں پائی جاتی اسی لئے زیادہ تر نعتیں غزل کے فارم میں ہی کہی جاتی ہیں۔

وکالت کے سنگلاخ اور مصروف پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود بقاؔ گیسوئے اردو کی مشاطگی کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے۔غزل٬ نظم اور نعت ومناقب کے میدان میں انکا اشہب قلم جولانیاں دکھاتا تھا۔ ان کی نعت ومناقب رسول اکرم٬ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بزرگان دین سے ان کی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتی ہیں۔انھوں نے عقیدت ومحبت سے سرشار ہوکر نعت گوئی کا فریضہ ادا کیا ہے انھوں نے اپنے نعتیہ کلام کی بیاض کو ''زادِ بقا'' کا نام دیا ہے۔اس میں کیا شک ہے کہ اگر ایک شعر بھی شرف قبولیت حاصل کرلے تو فی الحقیقت زادِ بقاؔ اور وجہ نجات بن سکتا ہے۔اسی لئے وہ اس تمنا کا اظہار کرتے ہیں

جو موت بالیں پہ آ کھڑی ہو٬ بقاؔ کے ہونٹوں پہ اس گھڑی ہو
رسول اکرم٬ رسول اکرم٬ رسول اکرم٬ رسول اکرم
عالم ہو جاں کنی کا جب٬ ہونے کو ہوں خموش لب
دل میں تمھاری یاد ہو٬ لب پہ تمھارا نام ہو

ان کا یہ مشورہ بھی بڑا صایب اور عمل کا متقاضی ہے

جولمحہ ہاتھ آئے وقف ذکر مصطفی کرلو
چراغ زندگی کا کیا ' ہوا کی زد پہ رکھا ہے

'بعد از خدا بزرگ توئیقصہ مختصر' آپکی شان والا کے بیان میں حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے اسی حرف آخر کو بقاؔ نے اسطرح بیان کیا ہے۔ ؎

بلا خوف و تردد ' بے خطر اور برملا
کہئے خدا کے بعد دنیا میں انھیں سب سے بڑا کہئے

آپکی شان محبوبیت اس قدر اعلی وارفع ہے کہ آپ خالق ومخلوق دونوں کے محبوب ہیں ۔کسی دور میں بھی آپکے چاہنے والوں اور آپ پر جان نثار کرنے والوں کی کمی نہیں رہی۔ایسے عالم گیر محبوب سے محبت کرنا یقینا قابل فخر ہے۔اسی لئے بقاؔ کہتے ہیں ؎

مرا ذوق نظر کیا پوچھتے ہو
مرا محبوب' محبوب خدا ہے
مرے ذوق نظر کے باب میں یوں لب کشا رہیئے
مرے محبوب کو محبوب رب دوسرا کہیئے

آپ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کی تقلید واتباع ہی دونوں عالم میں فلاح وکامرانی کا ذریعہ ہیں۔خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہیں آپ کے چہرۂ انور کو دیکھنے کا موقع ملا اور خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہیں آج بھی آپ کا دیدار پرانوار میسر آجاتا ہے کیوں کہ آپ کی سیرت اور صورت دونوں ہی کیمیا اثر ہیں' دولت دارین ہیں۔جن اصحاب کرام نے اس راز کو پا لیا تھا وہ دونوں جہان میں کامیاب وکامران رہے۔بقاؔ یہی یاد دلاتے ہیں اور اسی کی طرف متوجہ کرتے ہیں ؎

نسخہ یہ صحابہ کی بیاضوں میں لکھا ہے
سیرت بھی دوا آپکی ' صورت بھی دوا ہے
وسیلہ کامرانی کا سبب بخشش کا ٹھہرے گی
یہاں سیرت محمد کی ' وہاں صورت محمد کی

چوں کہ آپ کی توجہ اور آپ کی نظر التفات بگڑی بنا سکتی ہے' دونوں عالم کے فوز وفلاح کی

ضامن ہوسکتی ہے اسی لیئ بقؔا بار بار اس نظر التفات کی آرزو کرتے اور اسکے لیئ درخواست پیش کرتے ہیں ۔

آپ نے ذرّوں کو بخشا ہے وقار ماہتاب
میری جانب بھی نگاہ مختصر آقا مرے
نگاہ لطف و کرم اٹھاؤ ' ہماری بگڑی ہوئی بناو
زمانہ ہم سے ہوا ہے برہم' رسول اکرم رسول اکرم

اس کائنات میں جو کچھ ہے' سب اللہ تعالیٰ کا ہے اور جسے جو کچھ عطا ہوتا ہے وہ اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے اور اسی کا عطیہ ہوتا ہے لیکن اسکے قاسم' اس کے تقسیم کنندہ حضور سرور کائینات ﷺ ہیں۔ یہ بات صرف عقیدت ومحبت ہی کی وجہ سے نہیں کہی جاتی بلکہ خود فرمان رسالت مآب ﷺ ہے۔ **انما انا قاسم و اللہ معطی۔**

کیا خوب کہا ہے۔

رب ہے معطی وہ ہیں قاسم
دیتا رب ہے دلاتے وہ ہیں

اسی لیئ اہل محبت قاسم دو جہاں سے مانگتے ہیں کیونکہ ان کا عطیہ دراصل اللہ ہی کا عطیہ ہے لیکن آج کل کے نام نہاد موحدوں کو اس میں شرک نظر آتا ہے۔ آپ کی سیرت' آپکا اسوہ حسنہ اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ جود وسخا میں بھی بے مثال تھے۔ بے طلب بھی دیتے تھے اور طلب پر تو اتنا دیتے تھے کہ مانگنے والے کا دامن تنگ ہو جاتا تھا۔ بقؔا نے آپ کی اس خصوصیت' اس جود وعطا اور صفت قاسمیت کو متعدد اشعار میں مختلف انداز سے موضوع سخن بنایا ہے۔ آپ کی یہ صفت ان کی خصوصی عقیدت کا مرکز ہے۔ ۔

میں اپنا دامن جانوں ہوں' یوں مانگتے ان سے جھجکوں ہوں
کیا جانیے آقا سے کتنا اظہار سخاوت ہو جاے
طلب کرنے سے پہلے کر علاج تنگیٔ داماں
عطا حد سے سوا کرنا تو ہے عادت محمد ﷺ کی
یہ وہ در ہے جہاں خود مانگنے والا پشیماں ہے

یہیں دست طلب کو بے بسی معلوم ہوتی ہے
اے دست طلب تنگیٔ داماں کی خبر لے
اس درپہ در سرور کونین لکھا ہے
اتنا عطا کریں گے وہ کہ دامن تنگ ہو جائے
بہانا چاہیے ان کو تو بس حاجت روائی کا
میں کتنا اور کیا مانگوں سخاوت کے سمندر سے
مرے ہاتھوں میں اک چھوٹا سا کاسہ ہے گدائی کا

آپ کی لامحدود جود وعطا اور اپنی تنگ دامانی کو پیش نظر رکھ کر بقاؔ اس کا شکوہ اور دعا والتجا دونوں کرتے ہیں۔ ؎

جوان سے مانگئے تو بخش دیں ساری خدائی بھی
مگر دست طلب کی تنگ دامانی کو کیا کہیئے
بخشش ہی نہیں بخشش کے سوا ایک اور گزارش ہے آقا
جب آپ نوازش فرمائیں، دامن بھی کشادہ ہو جائے

دیارحبیب کے دیدار کی آرزو کس عاشق صادق کے دل میں موجزن نہیں ہوتی۔ اس میں مدو جزر بھلے ہی ہو لیکن یہ مفقود نہیں ہوسکتی۔ یہ آرزو تو فردوس بداماں ہوتی ہے۔ بقاؔ نے خوب کہا ہے۔ ؎

نوک خامہ عشرت فردوس دہرانے لگی
پھر تمنائے مدینہ دل کو تڑپانے لگی

دوری ومہجوری سوہان روح ہوتی ہے۔ فاصلے حائل ہوں اور زادسفر مفقود تو یہ درد وکسک اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہو جاتی ہے کیونکہ موجودہ دور کی گرانی نے سفر کو مشکل اور گراں بنا دیا ہے جو، اب صرف دولت مند افراد کے لئے ممکن ہے لیکن بقاؔ حاضری کی سعادت کو دولت سے مشروط نہیں مانتے بلکہ طلبی اور اجازت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ دعا اور آرزو کرتے ہیں ؎

پیسہ ویسہ بھی ہو ہی جائے گا
شرط اول تو ہے بلانے کی

ہے شرط فقط اک اذن طلب، کیا روک سکے گی ناداری جو آپ بلانا چاہیں تو پیسہ ویسہ ہو

جائیے۔ان کے ایک سینیر معاصر رؤف امروہوی نے کہا تھا ۔

در رسول ہی دیکھا نہ خانۂ کعبہ
رؤف تم نے مزے کچھ نہ اس جہاں کے لئے

اسی وجہ سے ایسی ہی کسک اور رنج وغم بقاؔ کے یہاں بھی پایا جاتا ہے بلکہ وہ تو اپنی اس آرزو کی عدم تکمیل کی صورت میں زندگی اور دنیا میں آمد کو ہی لا حاصل سمجھتے ہیں ۔

نہ دیکھا ان کا دیار ہم نے نہ ان کی خدمت میں حاضری دی
ہمارا آنا ہے کوئی آنا ' جہاں میں آئے فضول آئے

سرزمین محبوب کی حاضری طمانیت بخش ہوتی ہے پھر وہ محبوب جو دوعالم کا محبوب ہے' خالق و مخلوق کا مشترکہ محبوب ہے' اس کی سرزمین اوراسکے دیار میں سکون واطمینان حاصل نہ ہوگا تو کہاں ہوگا؟اسی لئے تو بقاؔ کہتے ہیں ۔

طیبہ کی جو ہے سرزمیں' بٹتا ہے روز وشب وہیں
دکھے دلوں کا چین بھی' صبرو سکوں قرار بھی

اس صبر وسکون وقرار کی تلاش میں بقاؔ بھی طیبہ جانے کے آرزومند ہیں۔ دوری اور دیری مایوس کرتی ہیں تو وہ نجومی سے یہ معلوم کرنے میں بھی مضایقہ نہیں سمجھتے کہ دیار حبیب کا سفر میرے مقدر میں ہے بھی یا نہیں ۔

نجومی دیکھنا ہاتھوں میں میرے
سفر طیبہ کی جانب بھی لکھا ہے؟

اگر خوش قسمتی سے حضوری حاصل ہو جائے تو عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ محبوب کے حضور زبان گنگ ہو جاتی ہے' لب سل جاتے ہیں۔آرزوئیں اور تمنائیں زبان ولسان سے رشتہ قایم کرنا بھول جاتی ہیں۔اس نفسیاتی کیفیت کو میرؔ نے اس طرح ظاہر کیا تھ ۔

کہتے ہو کہ یوں کہتے' یوں کہتے جو کہ یار آتا
سب کہنے کی میاں باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

اس نفسیاتی کیفیت سے بچنے کے لئ بقاؔ یہ دعا بھی کرتے ہیں ۔

بھیجے کبھی جو اے خدا مجھ کو حضور مصطفی

میرے لبوں کو ہو عطا کہنے کا اختیار بھی

خاک طیبہ کبھی محبوب دوعالم ﷺ کی خاک زیر پا بن چکی ہے اسی لئے بقاؔ اسے اپنا ملبوس بنانا چاہتے ہیں ۔

مرا ملبوس ہو وہ خاک طیبہ
کہ جس نے اس کے تلوؤں کو چھوا ہے

دوری ومہجوری کا درد انھیں یہ سوچنے پر بھی مجبور کرتا ہے کہ کہیں یہی میرا مقدر تو نہیں؟ کیونکہ ہم زمانی اور قرب مکانی کے باوجود حضرت اویس قرنی باوجود حسرت دیدار' دولت دیدار سے محروم رہے تھے۔اسی خیال کے پیش نظر کہتے ہیں ۔

حسرت دید دل میں رکھتا ہوں' میں اویسی فضا میں جیتا ہوں
ایک ارمان ان کے دل میں تھا' ایک ارمان میرے اندر ہے

دوری ومہجوری میں محبوب کی یاد اور اس کا تصور بہت بڑا سہارا اور وجہ تسلی بن جاتے ہیں۔ قوت متخیلہ اسے جیتی جاگتی شکل میں نظروں کے سامنے لے آتی ہے اور اس طرح دوری ومہجوری کے اثر کو کم کر دیتی ہے۔ایسے ہی موقع پر بقاؔ نے کہا ہے ۔

سج گئی بزم تصور' آ گئے شاہ امم
میرا چاہا مل گیا اور میرا سوچا ہو گیا

آپ وجہ کائنات ہیں' تخلیق خداوندی کا شاہ کار ہیں' گو کہ زمین پر ہیں مگر عرش مقام ہیں'۔ یہ مسلمہ عقائد ہیں جنہیں بقاؔ نے اس طرح نظم کیا ہے ۔

بنائے ارض و سما کو دیکھو' زمیں پہ عرش علی کو دیکھو
کمال دست خدا کو دیکھو' محمد مصطفی کو دیکھو

باعث تخلیق عالم سربسر آقا مرے
منتظِر سارا جہاں ' منتظَر آقا مرے

تم ہی ہو وجہ بنائے عالم' رسول اکرم رسول اکرم
تمام خلقت میں ہو معظم' رسول اکرم رسول اکرم

آپ تہذیب وتمدن کے مراکز سے دور اک جنگجو اور ناخواندہ سماج کے بظاہر امّی فرد تھے لیکن

آپ نے تاریخ ساز کارنامے ہی انجام نہیں دیے بلکہ تاریخ کا رخ ہی موڑ دیا اور ایک نئی تاریخ بنائی۔ایسی تاریخ جو زمان و مکان کی حدود کو توڑ کر آج بھی اک خاص سمت میں رواں دواں ہے۔اسی لئے تو بقاؔ نے کہا ہے ۔

ایک امّی کا معجزہ دیکھو
لکھی تاریخ ہر زمانے کی

آپ شیریں مقال تھے، شگفتہ مزاج تھے، درشتی سے دور اور غصہ سے نفور تھے۔ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت آپ کا شعار تھے۔خلوص ومحبت، رحمت ورافت، آپ کی پہچان تھے۔آپ کی ان خوبیوں اور صفات کو بقاؔ نے خوبصورت تشبیہات اور حسن تعلیل کے ساتھ اس طرح نظم کیا ہے ۔

لبوں سے بارش گلوں کی پیہم، زباں پہ جاری تمھاری زمزم
شگفتہ خصلت، مزاج شبنم، رسول اکرم، رسول اکرم
دہن میں مشک و گلاب جیسے، لبوں پہ قند ونبات جیسے
تمھارا لہجہ سروں کا سرگم، رسول اکرم، رسول اکرم

بقاؔ کی نعتوں میں دیگر صنائع کا بھی التزام ہے یہاں صرف دو صنعتوں سے متعلق اشعار پیش ہیں۔کلام میں ایک جیسے لیکن معنی کے اعتبار سے الگ لفظوں کا استعمال صنعت تجنیس کے دائرے میں آتا ہے۔مندرجہ ذیل شعر کے مصرعہ اول ودوم میں بہانے بمعنی موقعے تلاش کرنا ہے تو مصرعہ ثانی کے آخر میں بہانا بمعنی رقیق چیز کو تیزی سے گرانا اور بہانا ہے ۔

بس اک دست طلب درکار ہے ان کے بہانے کو
بہانے ڈھونڈتے ہیں جوئے رحمت کے بہانے کو

ممدوح کی مدح میں اس کے اسمأ وصفات کو مسلسل نظم کرنا ایک خاص صنعت ہے جسے صنعت تنسیق الصفات کہا جاتا ہے۔ایک شعر میں اسکا التزام اس طرح کیا ہے ۔

امین وصادق، طبیب حاذق، خطیب کامل، حبیب رازق
سراپا رحمت ، کلیم قیم، رسول اکرم ، رسول اکرم

انبیأ علیہم السلام کے متعلق عام لوگوں کا ہمیشہ ہی یہ خیال رہا ہے کہ جب یہ ہم جیسے ہی انسان ہیں تو نبی ورسول کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ گویا نبی ورسول کے متعلق ایک عام تصور یہ رہا ہے کہ اسے بشر

نہیں ما فوق البشر ہونا چاہیئے اسی کی تردید کے لئے قرآن میں متعدد مقامات پر خود انبیأ علیہم السلام سے یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ ہاں ہم تم جیسے ہی بشر ہیں لیکن ہم پر اللہ تعالی کی وحی اور اسکا پیغام آتا ہے۔خود زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی یہ اعلان کرایا گیا۔قل انما انا بشر'' مثلکم یوحی الیی۔آپ کہد یجیئے کہ میں تم جیسا بشر تو ہوں لیکن مجھ پر اللہ کی وحی آتی ہے۔قرآن نے جو جواب کفار ومشرکین کے لئے نازل کیا ہے اسے آج کے نام نہاد موحدین نے تنقیص رسول کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ یہ آیت جہاں آپ کے بشر ہونے کا اعلان فرما رہی ہے وہیں آپ کے ایک خاص امتیاز اور عام انسانوں سے ممتاز ہونے کا بھی اعلان کر رہی ہے یعنی بشری حیثیت میں تو آپ دوسرے انسانوں جیسے ہیں لیکن عام انسانوں کے برعکس آپ پر وحی الہی آتی ہے' آپکو رسول و پیغامبر بنایا گیا ہے اور یہ وہ وصف خاص ہے جو بہت خاص بندوں کو حاصل ہوا ہے اور اب آپ کے بعد یہ سلسلہ بھی بند ہو جائیگا۔نقص تلاش کرنے والے ناقص العقل افراد کو جواب دیتے ہوئے بقاؔ کہتے ہیں ۔

اس کی تو وضاحت فرما دی ہر شخص یہاں ان جیسا ہے
جبرئیل نے کس سے باتیں کیں اسکی بھی صراحت ہو جائیے
کوئی ان کو بشر سمجھا' کوئی خیرالبشر
جس کا جتنا ظرف تھا اتنی بصیرت ہو گئے

بلاشبہ مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنے کے لئے اعلی ظرفی ضروری ہے۔کم ظرف تو نہ اس وقت سمجھ سکے اور نہ اب سمجھ سکتے ہیں۔کفار مکہ کا تو کیا ذکر منافقین مدینہ بھی ہمیشہ عیب جوئی اور نکتہ چینی میں لگے رہتے تھے۔کبھی انھیں جنگ احد کے موقع پر آپ کا کھلے میدان میں نکلنا ناگوار ہوتا تھا تو کبھی کسی اور فیصلے میں کمی نظر آتی تھی۔کبھی آپ کچے کانوں کے نظر آتے تھے۔معاذ اللہ۔

عظمت مصطفی اور اختیار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فہم بھی دراصل عطیہ خداوندی ہے۔خود آپ کے دور مسعود میں اور مدینہ منورہ میں جب یہ عالم تھا کہ بیٹا اس دولت سے مالا مال تھا اور باپ محروم۔محروم باپ رئیس المنافقین بنا تو بیٹا بہترین اور جاں نثار صحابی رسول تو پھر اس دور پرفتن اور دور نامراد میں منافقین کی کثرت ہونے میں تعجب کیوں ہوسکتا ہے؟

ایک اور شعر میں بقاؔ نے آپکا اور عام انسانوں کا موازنہ کرتے ہوئے کہا ہے ۔

وہ خود تو سب کے جیسے ہیں' اسی دنیا کے لگتے ہیں
زمانہ بھر میں لیکن دوسرا کب ان کے جیسا ہے

کور چشم کو نظر آئے یا نہ آئے لیکن سرکار دو عالم محبوب دو عالم بھی ہیں اور مختار دو عالم بھی۔ اللہ تعالی نے آپ کو بے انتہا اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ قاسم دو جہان بھی بنایا ہے اور مختار دو جہان بھی۔ آپ جسے جو چاہیں اس عالم میں بھی عطا کر سکتے ہیں اور اس عالم میں بھی۔ اسکے ثبوت میں متعدد احدیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ اللہ کی اس عطا پر کچھ لوگوں کو بھلے ہی شرک کا آزار ستائے لیکن اللہ اپنی عطا میں مختار بھی ہے اور ان لوگوں سے بے نیاز بھی۔ کچھ لوگوں کی جلن اور حسد سے شان رسالت اور اسکی عظمت و رفعت کم ہونے والی نہیں ہے۔ آپ کے اختیار اور عظمت و شان کو بقاؔ نے اس طرح شعری پیکر عطا کئے ہیں ۔

بندہ حق نما بھی ہو بندوں سے ماسوا بھی ہو — مختار دو جہان بھی ہو صاحب اختیار بھی

یہ جہاں کیا وہ جہاں ہے زیر دامان رسول — وسعت کون ومکاں ہے زیر دامان رسول

اس جہان رنگ و بو پر اکتفا مت کی جیو — دوسرا بھی اک جہاں ہے زیر دامان رسول

خیال وہم و گماں نہ پہنچے نگاہ جن و بشر نہ پہونچے
وہاں کھڑے ہیں رسول اکرم جہاں فرشتوں کے پر نہ پہونچے

اللہ کے بندے۔ جن وانس و ملایک بلکہ جمیع مخلوق اپنے اپنے انداز میں اللہ کی عبادت و ریاضت، اس کی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف پر مامور ہیں لیکن خود اللہ تعالی نے جس ذات والا کی تعریف و توصیف کی ہے وہ ذات رسالت مآب ﷺ ہے۔ پس آپکی تعریف و توصیف کرنا، آپکی سیرت بیان کرنا اور آپ کی نعت کہنا دراصل خدا کی ہم نوائی کرنا ہے اور یہ ایسا اعزاز و اکرام ہے جو اپنے جلو میں جنت الفردوس کا مژدہ لاتا ہے۔ اسی لئے اس اعزاز کو قابل فخر مانتے ہوئے بقاؔ کہتے ہیں

کوئی اعزاز سا اعزاز ہے مدحت سرائی کا — شرف بندے کو ملتا ہے خدا کی ہم نوائی کا

خدا کی ہم نوائی کا اعزاز تو حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا حق بھلا کس سے ادا ہوسکتا ہے؟ اسی لئے بقاؔ نعت گوئی کے باوجود اس میدان میں اپنی حدود سے واقف ہیں اور اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

ثنا انکی بقاؔ تم سے نہ ہوگی — ثنائے مصطفی کار خدا ہے

بہر حال بلا شبہ نعت گوئی کا حق تو ادا نہیں ہوسکتا لیکن اس کار خیر میں حصہ لینا اور نعت گو شعرأ کے لامتناہی سلسلتہ الذہب میں شامل ہونا سعادت بھی ہے اور باعث فخر بھی۔ اللہ تعالی انکے اس عمل کو وجہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی مصطفیٰ کہیے رسول مجتبیٰ کہیے
روا ہے ساری خلقت میں انہیں خیرالوریٰ کہیے
وہ اسم بامسمّیٰ ہیں محمد، احمد وحامد
لواء الحمد کا حامل انہیں روز جزا کہیے
سدا نفحاتِ قدسی سے دہن جس کا ہو پاکیزہ
بھلا ارشاد کو اس کے نہ کیوں وحیِ خدا کہیے
امامت جس نے فرمائی شبِ معراج اقصیٰ میں
انہیں ختم الرسل کہیے امام الانبیا کہیے
خدائے مالکِ ارض و سما کے پاک مہماں کی
لیے ہے آسماں اپنی جبیں پر خاکِ پا کہیے
کرے خود جن کی رفعت کو زبانِ حق ''اَلَم نشرح''
لسانِ نطق حیراں ہے انہیں کہیے تو کیا کہیے
ولیؔ جب نامِ نامی آئے اس ذاتِ گرامی کا
تو ہم پر فرض ہے صلِ علیٰ صلِ علیٰ کہیے

ولی اللہ ولی عظیم آبادی (مدینہ منورہ)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

منزلِ قلب ونظر کا وہ منوّر چہرہ
آئینہ دارِ رِسالت کا معطر چہرہ
آج کونین میں ہے کس کو میسر یہ نصیب
ذر ہ ذرہ سے درخشاں ہے وہ مظہر چہرہ
دشت و دریا میں اڑو، گلشن و صحرا دیکھو
وسعتِ کون ومکاں کا وہ مقدر چہرہ
آگئی ہے مرے اظہار کی وسعت میں بہار
بن گیا ہے مرےاحساس کا منظر چہرہ
محوِ سجدہ ہے صبؔا آج درِ اقدس پر
جذبۂ عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے منوّر چہرہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ساتوں عالم ہیں شہنشاہِ عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدقہ
صاحبِ کون ومکاں ، اُمّی لقب کا صدقہ
پاؤں پھیلائے ہوئے وحشی اندھیرے تھے یہاں
نور ہی نور ہوا، نوری نسب کا صدقہ
ماہ و انجم کے مناظر میں تب وتاب نہ تھی
سب نکھر نے لگے ، اک جنبش لب کا صدقہ

علیم صبا نویدی (چنئی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مضطر ہے بہت قلب میں ارمانِ مدینہ
کب دیکھیے بُلواتے ہیں سلطانِ مدینہ
کس دل میں نہیں ہے بھلا ارمانِ مدینہ
کس کو نہیں ہے خواہشِ عرفانِ مدینہ
دل ہے ، کہ دھڑکتا ہے حرم کے لیے ہردم
جاں ہے کہ ہوئی جاتی ہے قربانِ مدینہ
وہ رحمتِ عالم ﷺ ہیں ، یقیں ہے مرے دل کو
میں بھی تو بنوں گا کبھی مہمانِ مدینہ
بیت اللہ کی ہے شمعِ منور سرِ طیبہ
ہے شمعِ حرم ہی سے تو عرفانِ مدینہ
ماں باپ بھی اولاد بھی ، قربان ہو تم ﷺ پر
یہ جاں بھی فدا تم ﷺ پہ ہو سلطانِ مدینہ
اس بار اگر جاؤں تو واپس نہ کبھی آؤں
دل میں ہے یہی آرزو اے جانِ مدینہ
اصحابِ نبی ﷺ سارے ستاروں کی طرح ہیں
اصحابِ مبشّر تو ہیں خاصانِ مدینہ
ہو خاتمہ ایماں پہ مرا شہر نبی ﷺ میں
دائم ہی رہوں میں تہِ دامانِ مدینہ
کچھ اور نہیں طاہرؔ سلطانی تمنّا
بن کر میں ہمیشہ رہوں دربانِ مدینہ

طاہرؔ سلطانی (کراچی پاکستان)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اپنے ہونے کا کسی روز پتہ دے ہم کو
آئینہ عشقِ محمد کا دکھا دے ہم کو

یوں تڑپنے کی الٰہی نہ سزا دے ہم کو
روضۂ احمدمختار دکھا دے ہم کو

پھر تو بھر جائے گا ہر زخم ہمارے دل کا
ریت آقا کے مدینے کی لگا دے ہم کو

اس سے پہلے کہ اندھیرا ہمیں اندھا کر دے
نور کے شہر کا دیدار کرا دے ہم کو

ہم سے بھٹکے ہوئے راہی کی گزارش ہے یہی
راستہ کوئی مدینے کا دکھا دے ہم کو

ہم کو کیا غم کہ چلے جائیں گے طیبہ کی طرف
لاکھ محفل سے زمانہ اٹھا دے ہم کو

ذکر جس میں نہ کسی کا ہو مدینے کے سوا
اے فرازؔ ایسی غزل کوئی سنا دے ہم کو

شبیر حسن فراز فتح پوری (پونہ)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خدا کی مجھ پر ہے خاص رحمت ، محمدی ہوں محمدی ہوں
مجھے بنایا ہے اُن ﷺ کی امت ، محمدی ہوں محمدی ہوں
کلیم حق کو تھی یہ تمنا کہ امتی ہوں شہ عرب کے
'یہ میرا رتبہ ، یہ میری عظمت ، محمدی ہوں محمدی ہوں'
ہے قلب میں اُن کا سوزِ الفت ، ہوئی ہے آتش حرام مجھ پر
مجھے پکارے گی خود ہی جنت ، محمدی ہوں محمدی ہوں
ہے سر پہ نعلینِ شاہِ اسرا ، اسے محمد کی خاک پا سے
ملی ہے عرشِ بریں کی رفعت ، محمدی ہوں محمدی ہوں
خدا کی مدحت ، نبی کی مدحت ، یہی مِرے نطق کی عبادت
خدا نے بخشی ہے یہ سعادت ، محمدی ہوں محمدی ہوں
کہا جو اللہ اور محمد ﷺ ، زبان تالو سے اور مِرے لب
ملے ہیں کیسے بصد محبت ! محمدی ہوں محمدی ہوں
کلامِ حق سے پہاڑ لرزے ، زباں پہ قرآن کی تلاوت
ہوئے ہیں لرزاں جہاں کے پربت ، محمدی ہوں محمدی ہوں
گدا ہوں شاہِ امم ﷺ کے در کا ، غلام فغفور
اور دارا عظیم ثروت ، عظیم حشمت ، محمدی ہوں محمدی ہوں
ہے پھولؔ ! قسمت پہ ناز مجھ کو ، میں ان کے در کا حقیر منگتا
ملی ہے دونوں جہاں کی دولت ، محمدی ہوں محمدی ہوں

☆ **تنویر پھولؔ (امریکا)**

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رب نے کیا بلند رتبہ رسول کا
ہر ایک کی زباں پہ ہے کلمہ رسول کا

اپنی ہی طرح سمجھے نہ کوئی بھی آپ کو
ٹھہرا نہیں زمیں پہ سایہ رسول کا

اللہ اور رسول پہ ایمان ہے مرا
محشر میں بھی ملے گا سہارا رسول کا

انگلی حضور کی جو اٹھی چاند کی طرف
دو ہو گیا تھا پا کے اشارہ رسول کا

شکلِ بشر میں بھیج کے اپنے حبیب کو
اللہ نے دکھا دیا رتبہ رسول کا

ایمان کہہ رہا ہے ہمارا یہی حسنؔ
چلتا ہے دو جہاں میں سکہ رسول کا

حسنؔ امام فدائی
ہزاری باغ جھارکھنڈ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کس سے ناطہ جڑ سکے گا تجھ سے ناطہ توڑ کر
رب سے بھی رشتہ عبث ہے تجھ سے رشتہ توڑ کر

ہوں سگانِ کوچۂ جاناں میں رکھتا ہوں وفا
میں نہ جاؤں مصطفیٰ کے در کا ٹکڑا توڑ کر

دیکھ کر لطفِ عطائے مصطفیٰ سارے فقیر
چادریں پھیلا رہے ہیں اپنا کاسہ توڑ کر

وہ بہاروں میں بھی رہتا ہے خزاؤں کا شکار
جو الگ ہے آپ سے نسبت کا پتّا توڑ کر

گلشنِ ہستی میں وہ محفوظ رہتا ہے کہاں
نخلِ دل سے سوزشِ الفت کا کانٹا توڑ کر

تشنگانِ گرمئ محشر جو آئے سامنے
بہہ پڑا بحرِ شفاعت ہر کنارہ توڑ کر

خامۂ شعر و سخن میں تابِ مدحت ہے کہاں
میں نے ظاہر کردیا حرفِ مقفّیٰ توڑ کر

ہے زمینِ شعر کو محتاجئ طرزِ حسن
کرگئے وہ ختم ذوقِ شعر خامہ توڑ کر

جو بھی آئے قبر پر میری کہے اُن کا ہے یہ
لکھ دو عبدِ مصطفیٰ عاصمؔ کا کتبہ توڑ کر

ابنِ امام محمد عاصمؔ قادری
کراچی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پسِ منظر میں دیکھنے والے پیش منظر قائم ہے
ہر موسم میں سب کے لب پر اسمِ اطہر قائم ہے

برکھا رُت میں ہم بھی آپ کے سائے میں آ جائیں گے
کچے گھر کی دیواروں پر آپ کا چھپر قائم ہے

سورج چاند ستارے جگنو اب بھی گواہی دیتے ہیں
میرے محمد کا شیدائی حق گوئی پر قائم ہے

کیوں گھبرائیں پیاس کی شدت سے آخر یہ دیوانے
ان کے لئے تو پہلے ہی سے آبِ کوثر قائم ہے

ایسا لگتا ہے کہ میں بھی اک جنگ میں شامل ہوں
میری ذات کے اندر آپ کا سارا لشکر قائم ہے

اب تو خواب میں آخر مجھ کو سورۂ ناس پڑھاؤ
اس بستی میں سرورِ عالم جادو منتر قائم ہے

لہروں لہروں ہم تو ریاضؔ اب طیبہ نگر کو جائیں گے
اپنے گھر سے ان کے گھر تک ایک سمندر قائم ہے

ریاضؔ بجنوری (پونہ)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آقا کی سرزمین پہ کیا کیا نظر میں ہے
طیبہ خیال میں ہے تو مکہ نظر میں ہے

ہے جس کا ربطِ خاص خدا ورسول سے
اس منزلِ حیات کا رستہ نظر میں ہے

میدانِ حشر کا ہو مجھے خوف کس لئے
سردارِ انبیا کا سہارا نظر میں ہے

ہر منظر حیات نہ ببول خوب تر لگے
اللہ کے رسول کا جلوہ نظر میں ہے

انسانیت سے پیار مجھے کس لئے نہ ہو
تعلیمِ مصطفیٰ کا تقاضہ نظر میں ہے

مخمور کیوں نہ آپ کے ہو نور سے یہ دل
پھیلا جو آپ سے وہ اجالا نظر میں ہے

خاورؔ مریضِ عشق ہے جس کا یہ دل مرا
وہ چارہ گر وہ رشکِ مسیحا وہ نظر میں ہے

رحمان خاورؔ علیگ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دین اسلام مکمل جو ہوا ہے تم پر
خلق قربان ہے اللہ فدا ہے تم پر

انبیا ورسل کی بھی امامت کی ہے
سلسلہ نبیوں کا بس ختم ہوا ہے تم پر

مجھ سے ہر شئے ہے میں ہوں نورِ خدا تم نے کہا
یعنی تخلیق کا ہر عقدہ کھلا ہے تم پر

حسن خلق ادھر حق کے ہو محبوب ادھر
مہرباں خالق کونین سدا ہے تم پر

چاہنے والے خدا کے ہیں بہت تم ہو حبیب
بخدا ختم ہر اک شانِ وفا ہے تم پر

قلب پر نام کہیں نقش کہیں وردِ زباں
دل سے قرباں صفِ اربابِ صفا ہے تم پر

سبز گنبد پر نظر اہل خرد کی معراج
حق نگر چشمِ وفا شاہِ ہدیٰ ہے تم پر

نام لیوا ہے گنہگار ہے نادم ہے سرورؔ
خوش نصیبی ہے کہ وہ دل سے فدا ہے تم پر

سرور مرزائی مرحوم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یامحمد یا محمد مصطفی صل علیٰ
مطلعِ انوارِ عالم نور حق شمس الضحیٰ
ابطحی مومن محمود ھادی ناطق
طاھر مختار ناصر قاسم یا صادق
یا خلیل یا مطیع یا شھید یا سابق
یا محمد بخش دیجئے میں ہوں عاصی پر خطا
شافع روز جزا ہیں آپ ہی بدرالدجیٰ
حامد یسین عاقب فاتح امی نذیر
ھاشمی طیب داع سراج یا منیر
یاجواد یا فصیح یا رشید یا بشیر
مجھ پہ ہو رحم و کرم کا سلسلہ در سلسلہ
رحمة اللعالمین ہیں آپ ہی صدر العلیٰ
عادل ناہ شکور رحمة یا امر
صاحب یا متق یا باطن یا ظاھر
یا مبین سید یا اول یا آخر
نسبت بطحا سے ہو اذنِ سفر کا معاملہ
آپ ہیں محبوب رب المشرقین نور ھدیٰ
یاامام یا قریب یا غنی یا منیب
احمد ماح رسول یا مطیع یا حبیب
عالم شاف شفیع یا کلیم یا خطیب
دیجئے مجھ کو پناہیں یا رسول مصطفیٰ
فخر موجودات عالم آپ ہی کھف الوریٰ

مرحومہ صغریٰ عالم (گلبرگہ)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں طیبہ سے سکونِ قلب کا سامان لایا ہوں
جو اپنے من کے اندر اک نیا انسان لایا ہوں

محمد میری دنیا دین اور ایمان بھی میرا
نچھاور آپ پر کرنے کو میں دل جان لایا ہوں

مدینے میں محمد کے مداوا درد و غم کا ہے
کرم کی ہو نظر دریدہ میں دامان لایا ہوں

میں کب سے منتظر ہوں مجھ پہ بھی ابرِ کرم برسے
ہو حاصل خوشنویدی نعتیہ دیوان لایا ہوں

ہزاروں لوگ لے آئے وہاں سے چاندی اور سونا
مگر میں دولتِ ایمان ہندوستان لایا ہوں

مری فکر و نظر کو جو رکھے روشن سدا انجمؔ
محمد کے مدینے سے میں ایسا گیان لایا ہوں

ڈاکٹر وحید انجمؔ (گلبرگہ)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب تصور میں گنبد اخضر جاگا
نعت گوئی کا وہیں جذبۂ اطہر جاگا

ذکراحمد کی سجی بزم جہاں بھی جب بھی
نور میں ڈوبا وہیں صبح کا منظر جاگا

شاملِ حال بہر حال ہے عشق احمد
آنکھ لگنے بھی نہ پائی دلِ مظطر جاگا

آمد شاہِ رسل کی ہے یہ ادنیٰ سی مثال
یعنی صحرا میں گلستانِ گلِ تر جاگا

جب بھی بھیجا کئے آقا پہ درود اورسلام
خود بخود ذہن پہ ذائقۂ کوثر جاگا

بیتِ اقدس کو تھا حاصلِ شرف قبلہ مگر
آپ کیا آئے کہ کہ کعبے کا مقدر جاگا

اہل دل نورِ ازل کہتے ہیں نجمیؔ جس کو
بخت سے عالمِ رویا میں وہ پیکر جاگا

سلام نجمی (بنگلور)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آئینہ دارِ فکر و نظر ہے جہانِ نعت
نورِ نگاہِ اہلِ ہُنر ہے جہانِ نعت

گلہائے نعت کا ہے یہ گلدستۂ حسیں
خیرالبشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ نظر ہے جہانِ نعت

شمس الضحیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرتا ہے ذکرِ جمیل یہ
ضوبار مثلِ شمس و قمر ہے جہانِ نعت

کرتا ہے باخبر جو فضایل سے نعت کے
وہ رہنمائے نوعِ بشر ہے جہانِ نعت

نعتوں کا ہے شش ماہی رسالہ یہ معتبر
ارزندہ تر زِ لعل و گُہر ہے جہانِ نعت

اس کے مدیر ہیں جو فدائے رسول ہیں
فضلِ نبی اُدھر ہے جدھر ہے جہانِ نعت

احمد علی برقیؔ اعظمی (نئی دہلی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نغمہ نعت کو پُر سوز بنا لیتا ہوں
دل میں جب عشق کا اک دیپ جلا لیتا ہوں
ان کی مدحت میں قلم جب بھی اٹھا لیتا ہوں
چند ساعت میں مدینے کی ہوا لیتا ہوں
کون کہتا ہے کہ جنت کا پتہ لیتا ہوں
ان کے روضے پہ پہونچنے کی دعا لیتا ہوں
دیکھ خورشید بھی کہتا ہے ٹھہر باد صبا!
میں ابھی روئے منور کی ضیا لیتا ہوں
سوئی قسمت کو یہ دعویٰ ہے مرا اے لوگو !
نعت پڑھ کر کے محمد کی جگا لیتا ہوں
میل جب میرے گناہوں کا سوا ہوتا ہے
ابر رحمت میں تبھی جا کے نہا لیتا ہوں
جب بھی طوفان میں پھنستا ہے سفینہ اپنا
اس گھڑی نعرہ تکبیر لگا لیتا ہوں
مرکز حسن وعقیدت کی تجلی پا کر
فکرِ احسنؔ کے لیے روحِ ثنا لیتا ہوں

توفیق احسن برکاتی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

باوضو لکھ رہا ہوں میں نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
محترم ، معتبر ہے جو ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اپنی بخشش کا سامان ہو جائے گا
ہم پہ ہو جائے گر التفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سنگ دل دشمنِ جاں زیرِ دام آگئے
قابلِ ذکر ہیں معجزاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہم نے دیکھا کہاں ہے سنا ہم نے کیا
کیسے ممکن بیاں ہو صفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انبیاء یوں تو گذرے ہزاروں مگر
منفرد سب سے لیکن حیاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہو جو طیبہ کی گلیوں میں اپنا گذر
یاد آجائیں گی سب مشکلاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرحلے زیست کے ہوں گے آساں سبھی شمیمؔ
ہو جو وردِ زباں اپنی نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کمال الدین شمیمؔ (بیدر)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تمنا ہے آقا کے در پر میں آؤں
ہیں قسمت میں جتنے بھی غم بھول جاؤں
محمد کے صدقے میں بھر جائے جھولی
میں دستِ دُعا اپنا جب بھی اُٹھاؤں
یہ خواہش ہے جو زخم ہیں میرے دل میں
وہی زخمِ دل آپ کو میں دکھاؤں
ہر اک ذرہ ذرہ میں خوشبو بسی ہے
ہے خواہش مدینے کی گلیوں میں جاؤں
مرے حق میں ریحانہؔ ایسا کرم ہو
گناہوں سے دامن میں اپنا بچاؤں

ریحانہ بیگم ریحانہ (بیدر)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیمبر ہیں نور الھدیٰ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یہ سچ ہے شفیع الوریٰ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالی کوئی شئے نہیں ہے
ہر اک شئے میں جلوہ نما ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا
یہ دونوں جہاں کی بنا ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہر اک پیشوا آپ کا معتقد ہے
ہر اک دور کے پیشوا ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سہارا یتیموں یسیروں کا ہیں وہ
غریبوں کے حاجت روا ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
خطا کار ہیں زیر دامانِ رحمت
فقط پردہ پوشِ خطا ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
چمک جائے گی آج ہادیؔ کی قسمت
نگاہوں میں جلوہ نما ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد فضل الرحمن ہادیؔ (بیدر)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہر ایک شئے میں جلوۂ نور خدا تو ہے
اہل بصر کے واسطے اک آئینہ تو ہے
میری یہ زندگانی میں تیری رضا تو ہے
نقشِ قدم کو چھوسکوں یہ حوصلہ تو ہے
رحمت کی بدلیاں ہیں تجلّی کا نور ہے
ہر ایک شئے میں شکل شہ مصطفےٰ تو ہے
خوشبو ہے روشنی ہے مرے مصطفےٰ کا نام
اہلِ نظر بدن کو مگر ڈھونڈتا تو ہے
منزل پہ اپنی پہنچوں گا چل کر قدم قدم
اُس تک بھی مری ذات کا ایک سلسلہ تو ہے
محشر کی دھوپ سب کے لئے امتحاں تو ہے
مجھ پر نگاہ شافع روزِ جزا تو ہے
نقش قدم سے لپٹا ہوں یہ ہے رہِ نجات
قسمت میں میری دیکھنا یہ بھی لکھا تو ہے
ٹوٹے کھنڈر کو ڈھاکے بنائیں گے ہم مکان
میری فنا میں ویسے بھی اصل بقا تو ہے
ہے کتنے پارساؤں میں نام کلیمؔ بھی
نادم ہے ہر گناہ پہ بخشش کی جا تو ہے

نثار احمد کلیم (بیدر)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جن کو بھیجا میرے مولیٰ نے بشارت کے لیے
ہے محمد ﷺ نام ان کا ، ہیں اطاعت کے لیے
دیکھ آئی جب سے طیبہ کے نظاروں کو نظر
لوگ آئے میری نظروں کی زیارت کے لیے
جن کے قدموں نے کیا تھا قصدِ کعبہ قبل ازیں
پھر سے ہیں آمادہ طیبہ کی زیارت کے لیے
چاند تارے اور سورج سب زیارت کر چکے
صرف میں باقی ہوں حضرت کی زیارت کے لیے
آپ ﷺ کی سیرت پڑھی ہے میں نے میرے مجتبیٰ
زندگی پانے کی خاطر اور شفاعت کے لیے
آپ ﷺ کی امت وہ امت جس نے بڑھ کر جان دی
دینِ رب کے واسطے ، اس کی شہادت کے لیے
مصطفیٰ ہیں روزِ محشر میں بچانے کے لیے
جی رہا ہے میرؔ روز و شب قیامت کے لیے

(میرؔ بیدری)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اُن کے گیسوے معطر ہیں کہ سنبل جیسے
نعت ِسرکار کی خوشبو ہے کہ صندل جیسے
مدحت ِخواجۂ کونین سے سرشار ہوں میں
کرگیا نعت کا ساون مجھے جل تھل جیسے
لوٹا حرمین سے جب بن کے میں حاجی یارو!
سارا عالم مجھے کیوں لگتا ہے جنگل جیسے
اِس طرح ذکرِ خداوند میں سرمست رہو
کہہ اُٹھے سارا زمانہ کہ ہو پاگل جیسے
کیوں شب وروز ہے یہ حذف واِضافہ لوگو!
ایسا لگتا ہے نہ ہو دین مکمل جیسے!
نعت گوئی کے لیے جب سے رہن ہوں فہمیؔ
ہوگیا رشک ِ عبادت مرا پل پل جیسے
جب سے اِس نعت کو کمپوز کیا ہے فہمیؔ
مجھ پہ چھایا ہو کوئی کیف مسلسل جیسے

محمد افروز قادری فہمی (افریقہ)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہر سخن ور چاہتا ہے وہ لکھے سب سے الگ
حمد ونعت ومنقبت ہم نے بھی سو لکھّے الگ
کربلا والوں کی قر بانی سے یہ سیکھا سبق
بیعت ِ کُفّارِ دیں کرتی ہے رحمت سے الگ
بربنائے مسلک و دیں انتشار و افتراق
اس لیے ہیں منبر ومسجد جُدا، سجدے الگ
خلق کو آزار جو پہنچائے وہ مومن نہیں
پیرو کارِ مصطفیٰ ﷺ ہیں فرقہ بندی سے الگ
مرضی ِ مولیٰ ، ہمہ اولے ' سے آگے کچھ نہیں
پیروی انسان قسمت سے کرے کیسے الگ!
تابِ گویائی سُخن کی سمت لائے ہاشمیؔ
کیسے رہ سکتا ہے پھر حُسن ِ بیاں ہم سے الگ

سید انور جاوید ہاشمی کراچی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فیصلہ ،آج اُخوت کا، نبھادو آقا
اپنے ،ایمان کا، گرِویدہ، بنا دو آقا
تیز شعلوں پہ، زمانے کے، چلادو آقا
دلمیں،نفرت کی،لگی آگ،بُجھادو آقا
جامِ ،عرفان کے، بھربھر کے، پلا دو آقا
دیدِ مطلق کا نشہ، مجھ پہ، چڑھا دو آقا
جِسکی خُشبو سے، پلٹ جائیگی ،تقدیر ِ اُمم
ایسا غنچہ بھی مرے دِ ل میں کِھلادو آقا
بند سینے سے کہاں،داغ وفا جائے گا
راہ ِ منزل کی مجھے، آج دکھادو آقا
ہار ، روضے پہ، گلابوں کے، چڑھاؤنگا مگر
اپنے بیمار کو، ہشیار، بنادو آقا
ڈھونڈتا ہوں، میں جنہیں،جان ہتھیلی پہ لئے
ایسے افراد کو، بچھڑوں سے ملادو آقا
راجؔ ہر شئے ، تو زمانے کی، بدل جاتی ہے
دل کی ، بدلی ھوئی، سرکار، بنادو آقا

راج پریمی بنگلورو

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دل ہوش و خرد و جان و جگر باندھے ہوئے ہے
وہ حسنِ نظر سب کی نظر باندھے ہوئے ہے
اب کیسے بھلا ہوگی مدینے سے رہائی
زنجیر صفت شام و سحر باندھے ہوئے ہے
طیبہ کی فضاؤ ں میں مودر کا پرندہ
اڑنے کیلئے کب سے کمر باندھے ہوئے ہے
آثار ہیں سورج کے پلٹنے کے ابھی تک
انگلی کے اشارے کو قمر باندھے ہوئے ہے
ایماں سے بہت دور ہے تشکیک کا پہلو
بو جہل اگر اور مگر باندھے ہوئے ہے
میں پیش کی صورت ہوں سرِ کوئے پیمبر
ظالم کو ابھی زیر و زبر باندھے ہوئے ہے
نغماتِ عقیدت میں تخیل کی بلندی
اطہرؔ کے تصور کا اثر باندھے ہوئے ہے

حسن رضا اطہر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کیا کہوں کیسا سکونِ قلب و جاں پاتا ہوں میں
جب محمد مصطفٰے کا نام دُہراتا ہوں میں
مسجدِ نبوی میں پاتا ہوں میں اپنے آپ کو
گنبدِ خضرائ کو جب تخییُل میں لاتا ہوں میں
روشنی لیکر ذراسی سورۃَ والّیل سے
ہر اندھیرے سے بہ آسانی گزر جاتا ہوں میں
رشک شاہوں کو نہ ہو کیوں میری اس توقیر پر
جب غلامِ احمد ِ مختار کہلاتا ہوں میں
میں سمجھ لوں گا کہ بس پالی حیات جاویداں
مرکے بھی گر اُن کے قدموں میں جگہ پاتا ہوں میں
رہنما پر اپنے میرے جان و دل قربان ہیں
جس کے پیچھے خود مسیح و خضر کو پاتا ہوں میں
روکتے ہیں یا نہیں در پر بلائیں تو سہی
لوٹ کر خود تو نہ آنے کی قسم کھاتا ہوں میں
کوئی دعوت دے نہ دے توقیر کچھ پرواہ نہیں
محفلِ میلاد ہوتو خود چلا جاتا ہوں میں

ڈاکٹر جلال توقیر (جے پور راجستھان)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرا ذہن و دل نہیں ہے تری طرح تاجرانہ
مرے روبرو مدینہ ترے سامنے زمانہ
نہیں نھر گھٹا پر اگر آپ کا کرم ہو
یہی دھوپ تان دے گی مرے سر پہ شامیانہ
ترا نام لے کے میں نے کیے جمع چار تنکے
کسی برق میں ہو ہمت تو جلائے آشیانہ
نہ کمال ِ نعت گوئی نہ شعور ِ بندگی ہے
مجھے بخشوائے گا بس مرا عشق ِوالہانہ
نہ مدینے میں بسیرانہ تری گلی میں پھیرا
میں کسے بتاؤں آقا ہے کہاں مرا ٹھکانہ
مری آرزو تھی لکھوں تری شان میں قصیدہ
مرا ساتھ دے نہ پایہ مرا ذوقِ شاعرانہ
مرے اس یقیں میں لغزش کبھی ہو سکی نہ اخترؔ
کہ رہے گا تا قیامت شہِ دیں کا آستانہ

اختر شاہجہاں پوری

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محبوب ہیں اللہ کے پھر ناز و نعم والے
واللہ ! محمد ﷺ ہیں صد جاہ و حشم والے
ان جیسا نہیں کوئی آداب و فضائل میں
ان جیسا نہیں کوئی عادات و خصائل میں
ان جیسا نہیں کوئی اخلاق وشمائل میں
پیارے ہیں نبی ﷺ میرے، ہیں خلق وشیم والے
افضل ہیں وہ اعلیٰ ہیں کونین کے سرور ہیں
برتر ہیں وہ بالا ہیں ذیشان پیغمبر ہیں
وہ حق کا حوالہ ہیں ہادی ہیں وہ رہبر ہیں
شاہوں میں کہاں ایسے تاج و علم والے
اسلام ہمیں بخشا ایمان کی دولت دی
توحید کا دئے تحفہ قرآن کی دولت دی
دھنوان بنا ڈالا اس شان کی دولت دی
ہیں جودو عطا والے اور لطف و کرم والے
دربارِ محمد ﷺ کیکیا شان ہے شوکت ہے
جس سمت نظر ڈالو مخلوق کی کثرت ہے
ہیں شاہ وگدا حاضر یہ حسن عقیدت ہے
جھکتے ہیں یہاں آکے سب جاہ وحشم والے
اسباب نہ تھا گھر میں نہ گانٹھہ میں سونا تھا
آرام بھی کرنے کو معمولی بچھونا تھا

ہاں شانِ رسالت کا جینا بھی نمونہ تھا
وہ نانِ جویں والے بے دام و درم والے
لاریب جہاں بھر میں آفاق میں اچھے ہیں
وہ جاہ میں ارفع ہیں افلاک سے اونچے ہیں
وہ بات کے پکے بھی اور قول کے سچے ہیں
صادق بھی امیں بھی ہیں وہ قول وقسم والے
اس ذات مقدس کے اوصاف کہاں تولوں
توفیق نہیں مجھ کو تعریف میں لب کھولوں
مختاؔر میں عاجز ہوں بولوں بھی تو کیا بولوں
ادنیٰ سا میں اک شاعر وہ لوح و قلم والے

مختار ٹونکی (راجستھان)

نعت نامے

(قارئین کا ردِ عمل)

☆ شبیر حسن فراز فتح پوری

مکرمی جناب غلام ربانی فداؔ صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔
آپ کا مرسلہ رسالہ ''کرناٹک میں نعت گوئی'' موصول ہوا۔
''نعت'' کے موضوع پر پورا مکمل رسالہ دیکھ کر ازحد مسرت ہوئی۔
اللہ تعالیٰ جناب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔اور آئندہ بھی اپنی استعانت سے نوازے۔
آپ نے تین رسالے عنایت فرمائے تھے ان میں سے ایک رسالہ میں نے عزیزم قاضی محمد رفیق فائزؔ کو دے کر انہیں اپنے تاثرات قلمبند کرنے کو کہا تھا جو خدمت میں ارسال کئے ہیں،۔
میں اپنی ایک تازہ ''نعت'' ارسال کر رہا ہوں اگر قابلِ اشاعت سمجھیں تو قریبی اشاعت میں شامل فرمائیں۔

خیر اندیش

☆ قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری

گرامی قدر وگرامی منزلت جناب غلام ربانی فداؔ صاحب۔السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے؟
آپ کا مرتبہ ''کرناٹک میں نعت گوئی'' جناب شبیر حسین فراز فتح پوری نے دیا اوور ساتھ میں یہ حکم بھی کہ رسالے پر اپنے تاثرات لکھوں۔انہیں کے حکم کی تعمیل میں یہ تاثرات خدمتِ گرامی میں عرض کر رہا ہوں۔''رسالہ'' ملاحظہ کرنے پر دل سے بے ساختہ یہ صدا بلند ہوئی۔
''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''
کچھ اور عرض کرنے سے قبل میں تہہ دل آپ کو اس قابلِ تقلید ،لائق صد تحسین ،دنیاوی واخروی منفعت کی طرف پیش قدمی پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ نے اپنی جانی ومالی توانائی

ایک ایسے کارِخیر پر صرف کی ہے جس سے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشبو آ رہی ہے۔

اربابانِ قلم جہاں زبان وادب کے نام پر دنیاوی منفعت حاصل کرنے کے لیے رسائل وجرائد نکالتے ہیں وہاں آپ نے خیرالامۃ کا فرد ہونے کا حق ادا کیا اور مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی ''نعت'' شریف کے موضوع پر اپنی ذہنی وقلبی قلمی اور مالی سرمائے کی توانائی صرف کر کے یہ مؤقر رسالہ ہدیۂ قارئین کیا، فجزاک اللہ تعالیٰ عنی وعن سائر المسلمین

دعا ہے کہ جناب کا رسالہ عنداللہ مقبول ہو اور دنیائے اردو ادب میں خصوصی پذیرائی کا حامل ہو۔ ''آمین''

یوں تو پورا رسالہ ہی دیدہ زیب اور لائق صد تحسین ہے مگر آپ نے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامِ نامی اسمِ گرامی کے ساتھ خصوصی طور پر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا جو اہتمام کیا ہے وہ بہت ہی خوب ہے۔ ورنہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خالی ادبا تو کیا۔ علما کو بھی یہ توفیق نہیں ہوئی اور وہ لوگ پورا درود شریف لکھنے کے بجائے فقط ''ؐ'' اسمِ اشارہ کے طور پر لکھ دیتے ہیں۔

کتاب کے ابتدائیہ میں حمد کے بعد جناب سلیمان خمار بیجاپوری صاحب کی نعت شریف بہت ہی خوب ہے۔

اگر اس نعت شریف پر غور وتدبر کریں تو ''نعت'' کے لغوی واصطلاحی معنی، اور مفہوم کما حقہ سمجھ میں آ جاتا ہے کہ ''نعت'' کیا ہے۔

عوام المسلمین کو معلوم چاہئے کہ جس طرح ذکر اللہ عبادت ہے اسی طرح ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی عبادت ہے۔ ذکر اللہ منظوم ہو تو حمد اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منظوم ہو تو نعت کہلاتی ہے۔ دونوں ہی عبادت کی اقسام سے ہے۔ دونوں پر ہی ثواب مرتب ہوتا ہے اور جناب خمار بیجاپوری صاحب کی تخلیق کردہ نعت شریف سے کما حقہ اس کی وضاحت ہو رہی ہے

عشقِ رسول دل میں بسانا بھی نعت ہے اوصافِ مصطفےٰ کا سنانا بھی نعت ہے
سرکارِ دوجہاں کے لیے غارِ ثور میں مکڑی کا آ کے جالا بنان بھی نعت ہے

مذکورہ اشعار کو سمجھنے پر لفظ ''نعت'' کا مقصد وارد واضح ہو جاتا ہے کہ 'نعت' فقط فن شاعری کی ایک صنفِ سخن ہی ہیں بلکہ اللہ ورسول کی خوشنودی کا ذریعہ بھی ہے!

یہ امر قابل تسلیم کہ ہر نعت گو شاعر شیخ سعدی، یا مولا عبدالرحمٰن جامی نہیں ہوسکتا۔ مگر سیدنا حسان بن ثابت حضرت شیخ سعدی مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہم الرحمہ والرضوان کا پیرو ہونا بھی لائق صد تحسین امر ہے!

مختصر یہ کہ نعت پر مشتمل یہ رسالہ یوں تو ہر لحاظ سے قابلِ داد و تحسین ہے۔ مگر رسالے کا موضوع نہایت ہی معظم و محترم ہے جسکی وضاحت خود آپنے اپنے مضمون '' کرناٹک میں نعت گوئی ایک مطالعہ'' میں یہ فرماتے ہوئے کی ہے

نعت کیا ہے؟ نعت ایک انتہائی محترم صنفِ سخن ہے اور رحمت پروردگار بھی۔ خدائے قدوس عاشقانِ رسول ﷺ پر مہربان ہوتا ہے تو انہیں نعت گوئی اور نعت خوانی کی توفیق عطا کرتا ہے!

اور جناب ڈاکٹر، ایس ایم، عقیل شیموگہ صاحب نے اپنے مضمون (کرناٹک میں نعت گوئی کے پچاس سال) میں یہ فرماتے ہوئے کی ہے'' نعت گوئی ایک مشکل فن ہے، کہا جاتا ہے کہ، با خدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار، خدا کی شان میں گستاخی ہوجائے تو۔۔۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے اپنی رحمت کی بدولت بخش دیگا، لیکن محمد ﷺ کی شان میں گستاخی نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ ہی کسی امتی کو!

لٰہذا جس رفیع الشان موضوع پر رسالہ نکالا گیا، نہ چاہتے ہوئے بھی میں نہایت معزرت کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہموضوع کے شایانِ شان رسالے پر توجہ نہیں دی گئی جسکے سبب رسالہ اغلاط یا تسامحات سے مملو ہے!

جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ 'موضوع' کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رسالے کی صحت پر خصوصی توجہ دی جاتی اور رسالے کی پہلی کاپی کمپیوٹر سے طبع کرانے کے بعد اس پر ناقدانہ نظر ثانی کی جاتی۔ اور پھر اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کرتے!

نظرِ ثانی نہ کرنے کی باعث 'نظم' و 'نثر' دونوں ہی اقسام کی تحریروں سے فہم و ادراک شاکی ہیں، اور مبتلائے خلجان بھی!۔۔۔'' ملاحظہ فرمائیں''

کتاب کی ابتداء میں جناب سلمان خمار بیجاپوری صاحب کی نعت کا مقطع ملاحظہ فرمائیے!

'' حکیم'' رسول پاک کی تعمیل میں خمار سورج کا پھر سے لوٹ کر آنا بھی نعت ہے

مرقومہ شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں لفظ'' حکیم'' نہ فن کے اعتبار سے درست ہے نہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے، یقیناً شاعر نے'' حکیم'' نہ لکھ کر'' حکم'' لکھا ہوگا۔ مگر طباعت کی غلطی سے پورا شعر بے وزن و بے معنی ہوگیا

اسی طرح شور عابدی گلبرگہ کا شعر

گنہگارو مبارک اب تو رحمت کا یقیں آیا شفاعت کی سند لے کر شفع المذنبین آیا

اس شعر کے مصرعہ ثانی میں طباعت کی غلطی ہے۔ شفیع المذنبین'' کی جگہ'' شفع المذنبین'' لکھا

ہوا ہے جو غلط ہے۔اسی طرح علامہ صابر شاہ آبادی کے شعر

''قریب'' نبی سے بڑھ کر کیا چاہئے گزارہ ساقی کے ساتھ رہ کر غمِ رزگار کیسا؟

اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں ''قریبِ نبیؐ'' چھپا ہوا ہے جو فنِ عروض اور معنوی اعتبار سے غلط ہے۔

حاصلِ گفتگو یہ کہ اگر قبل از نشر رسالے پر نظرِ ثانی کر لی جاتی تو یہ رسالہ اپنے موضوع کے مطابق اور بھی معظم و محترم ہو جاتا!

بہر حال چونکہ یہ رسالہ نعت جیسے عظیم موضوع پر مشتمل ہے اس لیے اصلاحاً یہ تسامحات خدمت میں عرض کیے ہیں اس امید کے ساتھ کہ خاطرِ عزیز پر گراں نہ گزریں گے۔

اب آئندہ ''واللہ المستعان'' بیش از بیش کی توفیق کی دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔خدا تعالیٰ معاونین کے مزاج بخیر رکھے۔آمین۔

خیر اندیش قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری

☆تنویر پھول امریکہ

محترم غلام ربانی فداؔ صاحب السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

محترم بھائی محمد فیروز احمد سیفی صاحب کی وساطت سے ''جہانِ نعت'' نظر نواز ہُوا ، اللہ تعالیٰ اُن کو اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ''جہانِ نعت'' کو پورے ہندوستان کا پہلا حمد و نعت کا معیاری و ادبی ششماہی مجلہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے ، اللہ تعالیٰ اسے دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور یہ اسی طرح محبانِ رسول ﷺ کی دلی تسکین کا باعث بنا رہے،آمین۔

''جہانِ نعت'' کے لئے ایک مضمون ''حضور ﷺ بحیثیت رحمۃ للعالمین'' اور حمد و نعت منسلک ہیں۔سب کو سلام کہئے اور دعاؤں میں یاد رکھئے۔والسلام

طالبِ دعا: تنویر پھولؔ (امریکا)

☆ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ''جہان نعت'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

'جہان نعت' کے تین شمارے ''کرناٹک میں نعت گوئی'' کے عنوان سے موصول ہوئے ،کرم

فرمائی کا بہت بہت شکریہ،

آپ کے دوست مقیم نیو یاک کے ارشاد پر نعت گوئی پر تین شعرا کی نعت گوئی پر تبصرے ارسال کر رہا ہوں۔اپنے مؤقر جریدے میں 'شمالی ہند میں جدید نعت گوشعرا' کے عنوان سے ایک سیریز شروع کر دیجئے۔اور یہ مضامین ایک بعد دیگرے شائع کیجئے۔انشاءاللہ جلد ہی اسی طرح کے ۴ یا۵ اور مضامین ارسال کردوں گا اس طرح یہ سیریز ۸ مضامین کی ہوجائے گی۔ایک مضمون 'نعت گوئی کی تاریخ' پر نظر ثانی کا محتاج ہے،

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

☆شیدا رومانی (رائچور)

برادر مکرم جناب غلام ربانی فدا السلام علیکم

جناب سید قاسم القادری کا نعتیہ مجموعۂ کلام ''فردوسِ سخن'' بذریعۂ کوریئر مل گیا ہوگا۔

حسبِ وعدہ ایک حمد اور ایک نعت ارسال کر رہا ہوں۔ششماہی ''جہان نعت'' میں شاملِ اشاعت کر کے ممنون فرمائیے گا۔امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

☆راج پریمی، بنگلورو

محترمی غلام ربّانی فداؔ سلام خلوص!!

بغرضِ اشاعت دو غیر مطبوعہ شعری تخلیق جو خود کی لکھی ہوئی ہیں، ارسال کر رہا ہوں۔پسند آئے تو کسی قریبی شمارے میں جگہ دیں تو بڑی ادب نوازی ہوگی۔باقی گفتگو عندالملاقات۔مزاجِ گرامی بخیر ہوگا!

خیر اندیش

☆ڈاکٹر۔ایس۔جلال توقیر

(جے پور راجستھان)

محترم جناب غلام ربّانی فداؔ صاحب سلام مسنون

یہ جان کر مسرت ہوئی کہ آپ نے ''جہانِ نعت'' کے نام سے حمد و نعت کا ایک رسالہ جاری کرنے کا عزم کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس نیک کام میں آپ کو کامیابی سے ہم کنار کرے اور یہ رسالہ آپ

کے لئے اور شعرائے حمد و نعت کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضمن ہو۔

حد و نعت سے متعلق میرا ایک مجموعہ ''حمدِ ربِّ جلیل نعتِ رسولِ کریم منظر عام پر آ ٹکا ہے، اس میں سے بہت سی نعتیں ذی سلام(Zee Salam) چینل پر علونیہ قریشی اکثر و بیشتر پڑھتی رہتی ہیں۔اپنے رسالے میں حمد و نعت کو شائع فرما کر ممنون فرمائیں اور رسالے کی ایک عدد کاپی ضرور ارسال فرمائیں والسلام

☆اختر شاہ جہاں پوری

السلام علیکم

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ جہانِ نعت کا اجراء نعت گو شعراء اور شائقین نعت کے لئے نعمت عز مترقّبہ سے کم نہیں یہی وجہ ہے کہ جہان نعت کے قارئین کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے آپ کے اس اقدام کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔مبارکباد قبول فرمائیں

خیر اندیش

☆ مختار ٹونکی

(ٹونک راجستھان)

محبِّ مکرم و مدیر محترم فدا صاحب سلام مسنون!

خیر دارم و خیر خواہم تصدیعہ خدمت یہ کہ آپ کے مطہر و موقر جریدے'' جہانِ نعت'' سے مشرف بہ مطالعہ تو نہیں ہوں البتہ سنا ہے کہ آپ پاکستان کی طرز پر تقدیسی شاعری کی علم برداری کر رہے ہیں ۔واقعی یہ ایک محترم بالشان اقدام ہے۔ میں آپ کے حواصلے کی داد دیتا ہوں۔ خدا کرے کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں اور'' جہانِ نعت'' روز افزوں ترقی کے منازل طے کرنے ۔

''حمد و نعت'' کی سوغات حاضر ہے۔امید ہیکہ'' جہانِ نعت'' سے رشناس کرائیں گے۔

☆ محمد عرفان کوثر

رام گڑھ (جارکھنڈ)

مدیر محترم! السلام علیکم

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔استادگرامی ڈاکٹر زین رامشؔ کی کرم فرمائی سے'' جہان نعت'' کا شمارہ ۸ زیر مطالعہ ہے باوجود یکہ یہ شمارہ'' کرناٹک میں نعت گوئی'' کے تعلق سے مخصوص شمارہ

ہے۔تاہم اس کے مطالعے سے گزرنے کے دوران طبیعت باغ باغ ہوتی گئی اور آپ کے لئے دل سے متواتر دعائیں نکلتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ یہ سعادت ہر کسی کے نصیب میں مقرر نہیں کرتا۔کہا جا سکتا ہے کہ ''ایں سعادت بزور بازو نیست''۔آئندہ شماروں کے مطالعے کا جنون باقی رہے گا۔رسالے کو حاصل کرنا کس طرح ممکن ہو سکے گا اس کی وضاحت شمارے میں نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ''جہانِ نعت'' پابندی کے ساتھ شائع ہوتا رہے اور روحانی غذا کے حصول کا ذریعہ بنے۔آئندہ شمارے کا بڑی بے چینی سے انتظار رہے گا۔ہندوستان سے ایک ایسے رسالے کی بڑی ضرورت تھی جسے آپ نے پورا کر دیا۔اللہ آپ کا مرتبہ بلند فرمائے۔

☆زین رامش

پروفیسر ونوبا بھاوے یونیورسیٹی، ہزاری باغ (جھارکھنڈ)

برادرِ ذی وقار! غلام ربانی فدا السلام علیکم

برادرم فیروز سیفی (یو ایس اے) کی محبتوں کے طفیل آپ کا ارسال کردہ ''جہانِ نعت'' کا شمارہ ۸ / مارچ ۲۰۱۴ء باصرہ نواز ہوا۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنی اس خوش بختی پر جس قدر ناز کروں کم ہے، لیکن یہ احساس بھی شدید تر ہے کہ قبل کے ایک دو نہیں بلکہ سات شماروں کے دیدار سے محروم رہا جسے میں یقیناً اپنی کم نصیبی پر محمول کرتا ہوں۔

میرا ہمیشہ سے یہ ماننا رہا ہے کہ نعتِ رسول اقدس ﷺ سے متعلق ہر عمل ذریعۂ حصول سعادت ہی نہیں ہے بلکہ دینی و دنیوی سرخروی کا سبب بھی ہے۔ایسے میں آپ کے ذریعہ ''جہان نعت'' کا اِجرا اور تواتر کے ساتھ اس کی اشاعت وطباعت اجرِ عظیم کا ذریعہ ہے۔خداوند بزرگ و برتر نے جس رسول ﷺ کے ذکر کو بلند تر کر دیا، جسے تمام عالموں کے لئے رحمت بنا دیا، جسے نور کی حیثیت عطا کر دی اور کتابِ مبین کے ساتھ جس کا ذکر فرمایا اور جسے حیات و کائنات کے سامنے شاہد مبشر اور بے نظیر بنا کر مخلوق پر عنایت فرمائی اس وجۂ تخلیق زماں اور متاعِ کن و فکاں کی محبت کا جو جذبہ آپ کے دل میں کارفرما ہے وہ جذبۂ صدق و حظ بارگاہِ اِلٰہی سے ہم سب کو عطا ہو جائے تو زندگی باوقار اور بامعنی ہو جائے۔